ایمان

عبد المطَّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تصنیفِ لطیف

حُضور فیض ملت مُفسر اعظم پاکستان
حضرت علامہ الحافظ ابو صالح مفتی

محمد فیض احمد اویسی رضوی رحمۃ اللہ علیہ

Visit Owaisi Books
www.faizahmedowaisi.com

(دیباچہ)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِینَ وَعَلٰی آلِہٖ وأصحَابِہٖ أَجْمَعِینَ

امابعد حضرت عبد المطلب کا ایمان و کفر ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ منکرینِ کمالاتِ مصطفیٰ نہ صرف آپ کو، بلکہ حضور سرورِ کونین ﷺ کے والدین کریمین اور تا آدم آپ کے اکثر آباء و امہات کو کافر اور جہنمی کہتے ہیں۔ (معاذ اللہ) اہلِ سنت ان تمام حضرات کو مؤمن و جنتی مانتے ہیں۔ اور الحمد للہ اس موضوع پر ضخیم کتابیں ورسائل لکھیں اور لکھ رہے ہیں۔ یہ اختلاف بھی ایک اصول پر مبنی ہے وہ یہ کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا نور مبارک جملہ عالمین سے پہلے پیدا ہوا۔ اور وہی نور مبارک پاک پشتوں اور مقدس اَرْحامُ میں منتقل ہوتا رہا اور مخالفین نہ اس نور کے قائل ہیں اور نہ اس کے انتقال کے۔ ان کی یہ لاعلاج بیماری ہے۔ ہم الحمد للہ اپنے مذکورہ عقیدہ کے مطابق حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو مؤمن اور جنتی مانتے ہیں۔ اور دیگر آباء وامہات الی آدم وحواء (علیہما السلام) کو بھی۔ کیونکہ جہاں اس نورِ اول کا قیام رہا اس پر آتش جہنم حرام ہوگئی۔

فقط والسلام

مدینے کا بھکاری

الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

دورِ حاضرہ میں بے ادبی و گستاخی کے لاعلاج مرض سے کئی اور بیماریاں جنم لے رہی ہیں۔ اُن میں ایک یہ کہ حضور سرورِ عالم ﷺ کے نسبی بزرگوں کو کافر ثابت کیا جائے۔ (معاذ اللہ) اس زد میں حضرت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ فقیر ان کے ایمان ثابت کرنے کے لئے یہ رسالہ ہدیہ ناظرین کرتا ہے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

مقدمہ

ملک عرب کی اطراف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے اور پیچھے مختلف انبیاء آتے رہے۔ جن میں سے بعض کا ذکر قرآن شریف میں پایا جاتا ہے۔ ان میں سے دو یعنی حضرت ہود علیہ السلام جو قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے (جو احقاف علاقہ یمن میں آباد تھی) اور حضرت صالح علیہ السلام جو قومِ ثمود یا عادِ ثانی کی طرف مبعوث ہوئے۔ (جو مدینہ کے شمال میں علاقہ حجر میں آباد تھی) حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں۔ اور دو یعنی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جن کا بعض روایات سے اہلِ یمن کی طرف مبعوث ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور حضرت شعیب علیہ السلام جو مدین میں (جو حجر کے مغرب کی طرف ہے) مبعوث ہوئے۔[1] حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد آئے۔ درمیانی حصہ یا حجاز ہمیشہ خالی رہا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مکہ میں تشریف لائے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں چھوڑ جانے سے مذہبِ ابراہیمی کی یادگاریں یہاں مستقل طور پر قائم ہوئیں۔ انبیاءِ بنی اسرائیل کے زمانہ میں عرب میں بُت پرستی انتہاء درجہ کو پہنچی ہوئی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یمن کی ایک ملکہ کو توحید کی تعلیم پر قائم کیا۔ بعثتِ نبوی سے قریب کے زمانہ میں یہودی ملکِ عرب میں آکر آباد ہوئے۔ غالباً یہ وہ زمانہ تھا جب پانچویں صدی قبل مسیح میں بخت نصر یہود کی بربادی کے درپے ہوا۔ اس کے ظلم سے تنگ آکر اور کسی قدر اس لئے بھی کہ آخری نبی کے عرب سے ظہور کی پیشین گوئیاں ان میں شائع اور عام تھیں۔ ان لوگوں نے عرب کو اپنا مَسْکَنْ (ٹھکانا) بنایا اور خیبر یہودیوں کی خالص آبادی ہو گیا۔ جب ان کی قوت یہاں مضبوط ہو گئی تو انہوں نے اپنا مذہب پھیلانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے کئی سو سال بیشتر یمن کے بادشاہ "ذونواس" نے یہودیوں کا مذہب اختیار کیا اور اس زمانہ میں بادشاہت کے رُعب سے کچھ جبر و تشدد سے یہودی مذہب کا خاصہ غلبہ ملکِ عرب میں ہو گیا۔ مگر باوجود ساری کوششوں کے عرب کی آبادی ویسی کی ویسی ہی بت پرستی میں مبتلا رہی۔ اور یہودی مذہب کا اثر چند دن زور پکڑ کر آخر پھر حالت تَنَزُّلِیْ (بربادی) کی طرف لوٹ گیا۔ اور عرب کے لوگوں کا قومی مذہب وہی رہا جو یہود کی آمد اور ان کی تبلیغ سے پہلے تھا۔

دوسری بڑی کوشش (جو آنحضرت ﷺ کے قریبی زمانہ میں ملکِ عرب کی اصلاح کے لئے ہوئی) عیسائیوں کی کوشش تھی۔ عیسائی عرب میں تیسری صدی میں آنا شروع ہوئے۔ سب سے پہلے نجران میں انہوں نے سکونت اختیار کر کے تبلیغی جدوجہد شروع کی۔ عیسائیوں کی کی کوششوں کو دو طرف سے بڑی قوت پہنچتی تھی۔ ایک حبشہ کی طرف سے جہاں قومی اور شاہی مذہب عیسویت تھا دوسرے شمال میں رومن امپائر (Roman Empire) کی طرف سے جس کا شاہی

(1) (سیرت مصطفی ،حجاز. 41/1، مکتبة المدینة، الطبعة: 2008م)

مذہب چوتھی صدی عیسوی کی ابتداء میں ہی عیسائی ہو چکا تھا۔ اور اس کے ساتھ بھی کثرت سے لوگ عیسائی مذہب میں داخل ہو گئے تھے۔ اس اثر اور خود عیسائی مُبَلِّغِیْنْ کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ نجران کے اکثر باشندوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا دوسرے قبائل میں جیسے حمیر، تسان ربعیہ، تغلب وغیرہ اور حیرہ (جو عراقِ عرب سے ملتا ہے) میں محدود (چند) اشخاص نے عیسائی مذہب اختیار کیا مگر کوئی بڑی کامیابی عرب کے اندر عیسائی مذہب کو حاصل نہ ہوئی۔ پس عیسائی مذہب کی کوشش بھی ملکِ عرب میں اصلاح کرنے کے کام میں بالکل ناکام ثابت ہوئی۔

تیسری وجہ "مذہبی تحریک" جو عرب کی اصلاح کے لئے ہوئی۔ وہ ایک اندرونی تحریک تھی۔ اسلام کے ظہور سے تھوڑا عرصہ پہلے ایک فرقہ پیدا ہوا جس کو "حَنِیْفْ" کہتے ہیں۔ یہ لوگ نہ عرب کی بُت پرستی پر قائم تھے اور نہ ہی یہودیت یا نصرانیت کے پیرو تھے وہ صرف ایک خدا کے پرستار تھے۔ اور اس سے زیادہ رسوم ورواج کی اصلاح سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ بعض لوگ (جن کے دلوں میں اس وقت بت پرستی سے نفرت پیدا ہوئی) عیسائی مذہب میں بھی داخل ہوئے جیسے: ورقہ بن نوفل جو حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی تھے اور عبد اللہ بن جحش مگر ان کے بڑے حصے کو یہودیت اور نصرانیت مطمئن نہ کر سکی۔ ان لوگوں میں سے زید بن نفیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چاچاہیں اور "امیہ بن ابی الصلت" جو ایک مشہور شاعر اور طائف کا رئیس تھا۔

مگر اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی لوگ تھے۔ اور گو یہ لوگ تبلیغ کے لئے کوئی خاص جوش نہ رکھتے تھے مگر اس میں بھی کچھ شک معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بت پرستی کو اعلانیہ ناپسند کرتے۔ اور توحید کو (جسے وہ دین ابراہیمی قرار دیتے تھے) علی الاعلان (اعلانیہ طور پر) صحیح مذہب قرار دیتے تھے۔ دیگر رسوم ورِواجات سے اُنہیں کوئی تعلق نہ تھا۔ اور صرف بت پرستی کی جگہ توحیدِ الٰہی کا اقرار اس کی اصل غرض تھی۔ مگر عرب کے مذہب میں اس تحریک سے اتنا تَغَیُّرْ (اختلاف) بھی پیدا نہ ہوا جس قدر عیسائیت سے۔ بلکہ جس طرح عیسائیت کی تحریک، یہودیت سے کمزور ثابت ہوئی اسی طرح یہ دینِ حنیفی کی تحریک عیسائیت سے بھی بہت کمزور ثابت ہوئی۔

نبی کریم ﷺ کے ظہور سے پہلے تین متفرق تحریکاتِ مذہبی کے لئے (جن سب کی غرض ملک کی اصلاح تھی) اسباب کا پیدا ہونا اور پھر ان تینوں کا بعض حالتوں میں صدیوں تک کام کرکے، اور ہر قسم کے سامان حتیٰ کہ سلطنت کے رعب تک موجود ہوتے ہوئے ناکام رہنا، اور پھر ان تینوں کے مدمقابل فردِ واحد کا تنہائی کی حالت میں اٹھنا، اور بے کسی کی حالت میں چھوڑے جانا، اور آخر کار چند سال کے عرصہ میں ملکِ عرب کے نہ صرف مذہب کو، بلکہ اس کے عادات و اطوار و اخلاق وحالات سب کو ایسا بدل دینا کہ گویا اس ملک کی کایاہی پلٹ دی۔ ایک ایسا حیرت انگیز امر ہے جس کی اور کوئی نظیر (مثال) تاریخ عالم پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہودیوں کا بنی اسماعیل یا عرب کے لوگوں کے ساتھ بھائی بھائی ہونے کا تعلق تھا۔ ان کی زبانیں ان کی عادات بہت کچھ باہم ملتی جلتی تھیں۔

ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دونوں قومیں یکساں عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ یمن کے یہودیوں نے دین کو قبول کر لیا۔ ظاہری اسباب اس سے زیادہ مہیا ہو چکے تھے۔ ملکِ عرب سارے کا سارا اس اثر کے نیچے یہودیوں کے دین کو قبول کر لیتا۔ مگر یہ تمام ملکِ عرب کی حالتِ عامہ میں کوئی تغیر پیدا نہ کر سکے۔ اس کے بعد عیسائیت آئی اور ایک نیا پیغام لے کر آئی۔ اور اس کی فرضی توحید کچھ کچھ عرب کی فرضی توحید سے ملتی تھی۔ جس قسم کی بت پرستی ان میں مروج تھی۔ اس قسم کی یونانی بت پرستی کے اثر کے نیچے عیسائیت کے عقیدہ تثلیث نے پرورش پائی تھی۔ اور موجودہ عیسائیت کے اصل بانی"

پولوس"[2] نے انبیائے بنی اسرائیل کی توحید پر بت پرستی کا ایسا رنگ چڑھا دیا کہ بت پرست قومیں گروہ در گروہ اس دین میں داخل ہونا شروع ہو گئیں تھیں۔ پھر عیسائیت میں شریعت کی پابندی کی کوئی قید نہ تھی اور عرب کی طبائع بھی قیود شرعی کی پابند نہ ہونے کی وجہ سے اور ہر قسم کی عیاشی میں پڑ جانے سے عیسائیوں کی طرح ہی اِبَاحَت پسند[3] ہو چکی تھیں۔ اور یوں عرب کے لوگوں کے لئے عیسائیت سَہل ترین مذہب تھا۔ علاوہ ازیں اوپر سے ایک عظیم الشان عیسائی سلطنت روما کا اثر اور عرب قوموں کا (جو عرب شام میں رہتی تھیں) اس دین کو قبول کر لینا۔ یمن کی طرف سے عیسائی شاہانِ حبش کا اثر یمن کے ایک حصہ کا عیسائی ہو جانا۔ بلکہ حیرا اور غسّان کی سلطنتوں پر بھی عیسائیت کا غالب آ جاتا۔ یہ وہ نہایت ہی قومی اسباب تھے جو شاید ہی کبھی کسی مذہب کی تائید میں مہیا ہوئے ہوں۔ اور ان اسباب کے ماتحت عرب کا عیسائی ہو جانا چند دن کا کام معلوم ہوتا تھا۔ مگر سوائے عرب کی شراب خوری (شراب پینا)، قُمار بازی (جُوا) اور مرد و عورت کے معیوب تعلقات کو بڑھانے کے اور کسی مذہب کا اثر بحیثیت مجموعی ملک عرب پر نہیں ہوا۔

ان دونوں کے بعد تیسری تحریک جو حنفیت کے نام سے موسوم ہے اندرونی تحریک تھی۔ اور عرب کے رسوم و رواجات کے اندر کسی قسم کی تبدیلی کرنا اس کی غرض نہ تھی، بلکہ اہلِ عرب کو صرف بُت پرستی سے نکال کر خالص توحید پر قائم کرنا اس کا مقصد تھا۔ اگر چہ اس کے لئے عرب کی آب و ہوا اس قدر بھی موافق ثابت نہ ہوئی جس قدر یہودیوں اور نصرانیت کے لئے ہوئی تھی۔ اور یہ تحریک سب سے کمزور ثابت ہوئی۔ شاید اس کی یہ وجہ تھی کہ اس کی پشت پر کوئی ایسی دنیوی طاقت نہ تھی جیسی یہودیت اور نصرانیت کی پشت پر تھی۔ ملکِ عرب کی اسی خطرناک گناہ کی غلامی کی حالت کی طرف آیت قرآنی میں اشارہ ہے: لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا (سورۃ البینہ: ۱، پ ۳۰)

یعنی اہلِ کتاب اور مشرک سب کے سب اس قدر گناہ کی غلامی میں پھنسے ہوئے تھے کہ وہ اس قابل نہ تھے کہ کسی دنیوی کوشش سے اس غلامی سے آزاد ہو سکیں۔ اس لئے ان کو اس غلامی سے نکالنے کے لئے ایک اللہ کے رسول کی ضرورت تھی جو پاک صحیفے ان پر پڑھ کر ان کو ان نجاستوں سے باہر نکالتا۔

چنانچہ حضور ﷺ تشریف لائے نہ صرف عرب کو قصر و ذلت سے نکالا بلکہ پوری دنیا آپ کے نور سے معمور ہو گئی۔

فائدہ: اس طویل مضمون سے میرا مقصد یہی ہے کہ حضرت عبد المطلب نے اس تحریک کے سربراہ ہوں گے ورنہ ایک سرگرم رکن تو ضرور ہوں گے اس لئے کہ آپ مکہ مکرمہ میں قد آور شخصیت سمجھے جاتے تھے بلکہ کعبہ معظمہ پر اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے کی وجہ سے آپ کو خصوصی دخل ہو گا اس لئے ماننا پڑے گا کہ عرب کی تحریکِ ثالث جس کا مقصد عوام کو بت پرستی سے بچا کر توحید حق میں لگانا تھا میں آپ کے کارنامے نمایاں ہوں گے نتیجہ ظاہر ہے جو ذات دوسروں کو بت پرستی سے بچا کر توحید خالص پر لگانے کی فکر میں ہو وہ خود کیسے بُت پرستی میں ملوث اور توحید جیسی نعمت سے محروم ہو سکتی ہے اس سے لازماً ثابت ہوتا ہے کہ آپ کچے پکے مؤمن تھے اسی طرح آپ کی اولاد اور سارا خاندان۔ (اس کی تفصیل آئے گی۔ ان شاء اللہ)

انجمن حلف الفضول: حضور سرور عالم ﷺ کی تربیت کسی کی دیکھا دیکھی کی محتاج نہ تھی آپ تو پیدائشی سے پناہ الٰہی میں ہی رہے۔ لیکن انسانی تقاضوں پر آپ کی زندگی مبارک کے اطوار خاندانی اثرات مطابق بھی ہونے تھے۔ چونکہ آپ بچپن میں اوّلاً سیدنا عبد المطلب ان کے زیرِ کفالت رہے۔ تو

---

2) ان کا اصل نام "شاؤل (Saul) " تھا، اور وہ یہودی تھے۔ بعد میں، مسیحیت قبول کرنے کے بعد ان کا نام "پولوس (Paul) " پڑا۔ پولوس ایک تعلیم یافتہ یہودی تھے اور فریسیوں کے فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی پیدائش "ترسس (Tarsus) " شہر میں ہوئی، جو موجودہ ترکی میں واقع ہے۔

3) ہر شئے کو جائز کہنا آسانی اور عیاشی کی سہولت دینا۔ (س رضا)

آپ پر حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی کفالت کے اثرات لازمی تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جوانی کے زمانہ میں آپ "انجمن حلف الفضول" کے بھی رکن اعظم تھے۔

حلف الفضول کا پس منظر: عرب لڑاکے مشہور تھے بات بات میں آپس میں جھگڑتے رہتے تھے۔ اگر ایک قبیلہ سے کوئی مارا گیا تو جب تک بدلہ نہ لیتے چین سے نہیں بیٹھتے تھے۔ ایک دفعہ عرب کے دو قبیلوں میں ایک گھوڑ دوڑ کے موقعہ پر لڑائی ہوئی تو پورے چالیس سال تک جنگ ہوتی رہی۔ اسی قسم کی "ایک جنگِ فِجار" کا قصہ ہے۔ یہ لڑائی "قریش" اور "قیس" کے قبائل میں ہوئی۔ تمام قریشی قبائل اس میں شریک ہوئے۔ ہر خاندان کا دستہ الگ الگ تھا۔ ہاشم خاندان کا جھنڈا حضرت عبد المطلب کے ایک صاحبزادے حضرت زبیر کے ہاتھ میں تھا۔ اس صف میں حضور نبی پاک ﷺ بھی تھے۔ آپ بڑے رحم دل تھے۔ لڑائی جھگڑے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔[4]

مظلوموں کی حمایت کا معاہدہ (حلف الفضول):

ان لڑائیوں کے سبب سے ملک میں بڑی بے چینی تھی۔ کسی کو چین سے بیٹھنا ہوتا تھا نہ کسی کو اپنی اور اپنے عزیزوں کی جانوں کی خیر نظر آتی تھی، اِن لڑائیوں میں لوگ بہت مارے جاتے تھے۔ اس لئے خاندانوں میں بن باپ کے یتیم بچے بہت تھے، ان کا حال پوچھنے والا نہ تھا، ظالم لوگ ان کو ستاتے تھے، اور زبردستی ان کا مال کھا جاتے تھے، خاندان میں جو کمزور ہوتا، اس کا کہیں ٹھکانا نہ تھا، غریبوں پر ہر طرح کا ظلم ہوتا تھا، یہ حالت دیکھ کر آپ ﷺ کا دل دکھتا تھا۔ اور سوچتے تھے کہ اس ظلم کو کیسے روکیں کہ سب لوگ خوش خوش امن وامان سے رہیں۔ عرب کے چند نیک مزاج لوگوں کو پہلے بھی یہ خیال ہوا تھا کہ اس کے لئے چند قبیلے مل کر آپس میں یہ عہد کریں کہ وہ سب مل کر مظلوموں کی مدد کریں گے، اس تجویز کے جو پہلے بانی تھے، ان کے ناموں میں اتفاق سے فضل کا لفظ تھا، جس کے معنی بھی مہربانی کے ہیں، اس لئے ان کے آپس کے اس عہد کا نام فضل والوں کا قول و قرار رکھا گیا، اور اس کو عربی میں "حلف الفضول" کہتے ہیں۔[5]

فِجار کی لڑائی جب ہو چکی تو آپ ﷺ کے چچا زبیر بن عبد المطلب نے یہ تجویز پیش کی کہ اس قول و قرار کو جو پہلے کیا جا چکا تھا، اور جس کو لوگوں نے بھلا دیا تھا، پھر سے زندہ کیا جائے اس کے لئے ہاشم "" زہرہ" اور "تیم" کے خاندان (مکہ کے ایک نیک مزاج امیر آدمی کے گھر میں جس کا نام عبد اللہ بن جدعان تھا) جمع ہوئے اور سب نے مل کر عہد کیا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا۔ اور اب مکہ میں کوئی ظالم رہنے نہیں پائے گا۔ اس معاہدہ میں ہمارے رسول کریم ﷺ بھی شریک تھے، اور بعد کو فرمایا کرتے تھے کہ میں آج بھی اس معاہدہ پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔[6]

تبصرہ اویسی غفرلہٗ: حضور سرورِ عالم ﷺ کا ایسی تنظیموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا اپنی فطری و جبلی عادتِ کریمہ کے علاوہ تربیتِ عبد المطلب کا بھی اثر ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ جب تنظیموں میں خاندان سمیت نہ صرف شامل ہوتے ہیں بلکہ مال و جان تن من دھن سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔ تو لازماً سابق تنظیم جس کا بُت پرستی سے بیزاری اور توحید میں ترغیب کا منشاء تھا اس میں بھی حضرت عبد المطلب ہی کا عظیم

---

(4) (سیرت مصطفی، تیسرا باب، اعلان نبوت سے پہلے کارنامے، 88/1، مکتبۃ المدینۃ، الطبعۃ: 2008م)

(5) (سیرت مصطفی، تیسرا باب، اعلان نبوت سے پہلے کارنامے، 89/1، مکتبۃ المدینۃ، الطبعۃ: 2008م)

(6) (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، حلف الفضول، ج 1 ص 133 الی 135، شرکۃ مکتبۃ، الطبعۃ: الثانیۃ، 1375ھ 1955م)

کارنامہ ہو گا۔ سواس سے صاحبِ دل تو یقین کر سکتا ہے کہ سیدنا عبد المطلب ان کا ایمان مشکوک نہیں بلکہ یقینی ہے۔ ہاں جن کے اپنے ایمان مُتَزَلْزَلْ (ڈگمگا رہے) ہیں جو چاہیں کہیں۔

نوٹ: ہمارا یہ مضمون صریح دلائل کی تائید کی ایک کڑی ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ایمانِ حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی دلیل معدوم ہے۔ الحمدللہ مزید دلائل آتے ہیں۔ ان شاء اللّٰہ تعالی

سوانح عبد المطلب رضی اللّٰہ عنہ: سیدنا عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی بھی بتاتے ہیں کہ آپ کے بچے مسلمان اور ولی اللہ تھے۔ اُس دور کے مطابق دینِ ابراہیم پر زندگی بسر فرمائی۔ اگر چہ حضور سرورِ عالم ﷺ کے بچپن میں آپ نے زیارت بھی کی۔ اور حق تربیت بھی ادا فرمایا لیکن اعلانِ نبوت کے دور سے پہلے وصال فرما گئے۔ اس لئے آپ نبی پاک ﷺ کے کلمہ اسلام سے سرفراز نہ ہو سکے۔ لیکن شرعی حیثیت سے آپ کو پکا سچا مسلمان مانا جائے گا۔ اب پڑھئے سوانحِ عُمری۔

عبد المطلب: حضرت عبد المطلب جب پیدا ہوئے تو آپ کے بال سفید تھے اس لئے آپ کا نام شیبۃ الحمد رکھا گیا۔ اور شیبۃ الحمد اس لیے کہتے تھے کہ ان سے نیک کام سرزد ہوں گے اور لوگ ان کی تعریف کریں گے۔ آپ سات یا آٹھ سال مدینہ میں ہی رہے۔ آپ کے چچا مطلب کو آپ کی خبر ملی تو بھتیجے کو لینے کے لئے مدینہ میں پہنچے۔ جب مدینہ سے واپس آئے تو آپ کو اپنے پیچھے اونٹ پر سوار کیا۔ آپ کے کپڑے پھٹے پرانے تھے۔ جب چاشت کے وقت مکہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے مطلب سے پوچھا یہ کون ہے اس نے کہا میرا اعبد (غلام) ہے۔ اسی وجہ سے شیبۃ عبد المطلب کے نام سے مشہور ہوئے۔ بعض نے اس کے علاوہ اور وجوہ بھی بیان کئے ہیں۔ ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔[7]

اہلِ مکہ پر سرداری: چونکہ آپ مطلب کے غلام مشہور ہوئے۔ اسی لئے مطلب کے بعد اہلِ مکہ کی ریاست عبد المطلب کو ملی۔ اور رِفَادَت (حاجیوں کی مہمان نوازی) وسِقَایَت (حاجیوں کو پانی پلانا) ان کے حوالہ ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کا نور ان کی پیشانی پر چمک رہا تھا۔ ان سے کستوری کی سی خوشبو آتی تھی۔ جب قریش کو کوئی حادثہ پیش آتا تو عبد المطلب کو کوہِ ثبیر[8] پر لے جاتے اور ان کے وسیلہ سے بارگاہِ رب العزت میں دعا مانگتے۔ اور ایامِ قحط میں ان کے واسطے سے طلبِ باراں (بارش کی دعاء) کرتے اور وہ دعا قبول ہوتی۔

تبصرہ اویسی غفرلہ: ایسی مقبول اور مستجاب الدعوات شخصیت پر کفر کا الزام بے دینی نہیں تو اور کیا ہے۔

فائدہ: حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ تو وہ پہلے شخص ہیں جو عکف (یعنی خود کو عبادت کے لئے وقف) کیا کرتے تھے۔ یعنی ہر سال ماہ رمضان میں کوہِ حرا میں جا کر خدا کے ذکر و فکر میں گوشہ نشین رہا کرتے۔ وہ مُوَحّدِ تھے شراب وزنا کو حرام جانتے تھے۔ نکاح، مَحَارم سے اور بحالتِ برہنگی (حالتِ برہنہ) طوافِ کعبہ سے منع کرتے۔ لڑکیوں کے قتل سے روکتے۔ چور کا ہاتھ کاٹ دیتے۔ بڑے مستجاب الدعوات اور فیاض (فیض والے شخص) تھے۔ اپنے دستر خوان سے پہاڑیوں کی چوٹیوں پر پرند و چرند کو کھلایا کرتے تھے۔ اس لئے انہیں مُطْعِمُ الطَّیْرْ (پرندوں کے کھلانے والے) کہتے تھے۔[9] یہ سب کچھ نور محمدی ﷺ کی برکت سے تھا یہی اُن کے ایمان پر بڑی قوی دلیل ہے۔

---

(7) (سیرت رسول عربی ﷺ، خاندانی شرافت و سیادت، 51/1، مکتبۃ المدینۃ، الطبعۃ: 2014م)

8) اسلامی روایات کے مطابق، کوہِ ثبیر کے نزدیک یا اس کے دامن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کے لیے لے کر گئے تھے۔ (س رضا)

(9) (سیرت مصطفی، حضرت عبد المطلب، 54/1، مکتبۃ المدینۃ، الطبعۃ: 2008م)

عطیہ زمزم: عبد المطلب نے چاہِ زمزم (زمزم کے چشمے) کو نئے سرے سے کھدوا کر درست کیا۔ اس کا قصہ یوں ہے کہ حضرت اسماعیل علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے بعد کعبہ کی تولیت (کفالت) نابت بن اسماعیل کے سپرد ہوئی۔ نابت کے بعد نابت کا نانا مضاض بن عمرو جرہمی متولی ہوا۔ جب جرہم حرم شریف کی بے حرمتی اور کعبہ کا مال اپنے خرچ میں لانے لگے۔ تو بنو بکر بن عبد مناف بن کنانہ اور غبشان خزاعی نے ان کو مکہ سے یمن کی طرف نکال دیا۔ اس وقت سے خزاعہ متولی ہوئے۔ خزاعہ سے اخیر متولی حلیل بن حبشہ تھا جس کے بعد تولیت قصی کے ہاتھ آئی جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ عمرو بن حارث بن مضاض جرہمی نے جاتے وقت کعبہ کے ہر دو غزال طلائی [10] اور حجر رکن کو زمزم میں ڈال کر اسے ایسا بند کر دیا تھا کہ مدت گزرنے پر کسی کو اس کا نشان تک معلوم نہ رہا۔ آخر کار حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو خواب میں اس کو کھودنے کا اشارہ ہوا۔ عبد المطلب کے ہاں اس وقت صرف ایک صاحبزادہ حارث تھا اس کو ساتھ لے کر کھودنے لگے۔ جب کوئیں کا بالائی حصہ نظر آیا تو خوشی میں تکبیر کہی۔ کھودے کھودتے ہر دو غزال اور کچھ تلواریں اور زرہیں بر آمد ہوئیں۔ یہ دیکھ کر قریش نے کہا کہ اس میں ہمارا بھی حق ہے۔ عبد المطلب نے بجائے مقابلہ کے اس معاملہ کو قرعہ اندازی پر چھوڑا۔ [11]

چنانچہ ہر دو غزال کا قرعہ کعبہ پر اور تلواروں اور زرہوں کا قرعہ عبد المطلب پر پڑا۔ اور قریش کے نام کچھ نہ نکلا۔ اس طرح عبد المطلب نے زمزم کو کھود کر درست کیا۔ اس وقت سے زمزم ہی کا پانی حاجیوں کے کام آنے لگا۔ اور مکہ کے کنوں کے پانی کی ضرورت نہ رہی۔ زمزم کے کھودنے میں عبد المطلب نے اپنے معاونین کی قِلّت محسوس کر کے یہ منّت مانی تھی کہ اگر میں اپنے سامنے دس بیٹوں کو جوان دیکھ لوں۔ تو ان میں سے ایک کو خدا کی راہ میں قربان کروں گا۔ جب مراد بر آئی (پوری ہوئی) تو ایفائے نذر (نذر کو پورا کرنے) کے لئے دسوں بیٹوں کو لے کر کعبہ میں آئے۔ اور متولی سے اپنی نذر کا حال بیان کیا اور کہا کہ ان دسوں پر قرعہ ڈالو دیکھو کس کا نام نکلتا ہے۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنے اپنے نام کا قرعہ دیا۔ ایک طرف پجاری متولی قرعہ نکال رہا تھا دوسری طرف عبد المطلب یوں دعا کر رہے تھے یا اللہ میں نے ان میں سے ایک کی قربانی کی منت مانی تھی اب میں ان پر قرعہ اندازی کرتا ہوں تو جسے چاہتا ہے اس کا نام نکال۔ اتفاق سے عبد اللہ کا نام نکلا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد اور عبد المطلب کے سب بیٹوں میں پیارے تھے۔ عبد المطلب چھری ہاتھ میں لئے ان کو قربان گاہ کی طرف لے چلے۔ مگر قریشی اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے بھائی مانع ہوئے۔ آخر کار دس اونٹوں پر قرعہ ڈالا گیا۔ اتفاق یہ کہ عبد اللہ ہی کے نام پر قرعہ نکلا۔ پھر عبد اللہ اور بیس اونٹوں پر قرعہ ڈالا گیا مگر نتیجہ وہی نکلا۔ بڑھاتے بڑھاتے سو اونٹوں پر نوبت پہنچی۔ تو قرعہ اونٹوں پر نکلا۔ چنانچہ عبد المطلب نے سو اونٹ قربان کئے۔ اور عبد اللہ بچ گئے۔ [12] اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: اَنَا اِبْنُ الذَّبِیْحَیْنِ. [13] یعنی میں دو ذبیح (اسماعیل علیہ السلام و عبد اللہ رضی اللہ عنہ) کا بیٹا ہوں۔ یہ بھی آپ کے مومن ہونے کی دلیل ہے۔

نکاحِ عبد اللہ رضی اللہ عنہ: جب عبد المطلب اونٹوں کی قربانی سے فارغ ہوئے۔ تو عبد اللہ کی شادی کی فکر میں ہوئے۔ عبد اللہ نور محمدی کے سبب کمال حسن و جمال رکھتے تھے۔ قضیہ ذبح سے اور مشہور ہو گئے۔ قریش کی عورتیں ان کی طرف مائل تھیں۔ مگر اللہ تعالی نے ان کو پردہ عِفّتْ و

---

10) ایک روایت کے مطابق، جب حضرت عبد المطلب کو زمزم کے کنویں کی کھدائی کے دوران خزانہ ملا، تو اس میں دو سنہری ہرن بھی شامل تھے، یہ خزانہ غالباً جرہم قبیلے نے اپنے وقت میں کعبہ کے قریب دفن کیا تھا، حضرت عبد المطلب نے اس خزانے کو قریش کے مشورے سے کعبہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ (س رضا)

[11] (سیرت رسول عربی ﷺ، خاندانی شرافت و سیادت، 52/1، مکتبۃ المدینۃ، الطبعۃ: 2014م)

[12] (سیرت رسول عربی ﷺ، خاندانی شرافت و سیادت، 53/1، مکتبۃ المدینۃ، الطبعۃ: 2014م)

[13] (روح البیان، تحت تفسیر سورۃ الانعام تحت آیت 138 الی 140، 110/3، دار الفکر – بیروت)

عِصْمَتْ (حیاء کے پردے) میں محفوظ رکھا۔ عبد المطلب ان کے لئے ایسی عورت کی تلاش میں تھے جو شرف نسب و حسب و عِفَّتْ میں ممتاز ہو۔ اس لئے وہ ان کو بنو زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ کے ہاں لے گئے۔ وہب کی بیٹی آمنہ زہریہ قریشیہ نسب و شرف میں قریش کی تمام عورتوں سے افضل تھیں۔ عبد المطلب نے وہب کو عبد اللہ کی شادی کا پیغام دیا اور وہیں عقد (نکاح) ہو گیا۔ (کہتے ہیں کہ آمنہ اپنے چچا وہیب کے پاس رہتی تھیں۔ عبد المطلب نے وہیب کو پیغام دیا اور نکاح ہو گیا اور اسی مجلس میں خود عبد المطلب نے وہیب کی صاحبزادی ہالہ سے شادی کی۔)

عبد المطلب کے ہاں بقول ابن ہشام پانچ بیویوں سے دس لڑکے اور چھ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔(14) جن کی تفصیل یوں ہے:

زوجہ کا نام: سمراء بنت جندب ہوازینہ۔	اولاد: حارث
زوجہ کا نام: لبنی بنت ہاجرہ خزاعیہ۔	اولاد: ابو لہب (اصلی نام عبد العزی)
زوجہ کا نام: فاطمہ بنت عمرو مخزومیہ۔	اولاد: ابو طالب (اصلی نام عبد منال) زبیر، عبد اللہ (والد رسول اللہ ﷺ) بیضاء (رضی اللہ عنہ)، عاتکہ (رضی اللہ عنہ) برہ، امیمہ اروی (رضی اللہ عنہ)،
زوجہ کا نام: ہالہ بنت وہب زہریہ۔	اولاد: حمزہ، عقوم، حج، صفیہ رضی اللہ عنھا
زوجہ کا نام: نیتبلہ بنت جناب الکلابیہ	اولاد: عباس (رضی اللہ عنہ)، ضرار

(بقول واقدی حارث کی ماں کا نام صفیہ بنت جندب ہے اور، اروی حارث کی سگی بہن ہے)

جمال نورِ مصطفی ﷺ: اب نور محمدی حضرت آمنہ کے رحم مبارک میں منتقل ہو گیا۔ تو کئی عجائبات ظہور میں آئیں اس سال قریش میں سخت قحط سالی تھی۔ اس نور کی برکت سے زمین پر جابجا روئیدگی مخملی چادر لگی۔ درختوں نے اپنے پھل جھکا دیئے اور مکہ میں اس قدر فراخ سالی ہوئی کہ لوگ خوشحالی کہنے لگے۔ قریش کا ہر ایک چارپا فصیح عربی زبان میں حضرت آمنہ کے حمل کی خبر دینے لگا۔ بادشاہوں کے تخت اور بُت اوندھے گر پڑے۔

مشرق و مغرب کے تمام چرند و پرند اور دریاؤں جانوروں نے ایک دوسرے کو خوشخبری دی۔ جن پکار اٹھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ قریب آگیا۔

کہانت (کاہن) کی آبرو جاتی رہی اور رہبانیت (مطلق گوشہ نشینی) پر خوف طاری ہوا۔ حضرت کی والدہ ماجدہ نے خواب میں سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے تیرے پیٹ میں جہان کا سردار ہے جب وہ پیدا ہوں تو ان کا نام محمد (ﷺ) رکھنا۔(15) تفصیل کتب میلاد میں پڑھیئے۔

حضرت عبداللہ کی وفات: قولِ مشہور کے موافق حمل شریف کو دو مہینے پورے ہو گئے تو حضرت کے دادا عبد المطلب نے آپ کے والد حضرت عبد اللہ کو مدینہ میں کھجوریں لانے کے لئے بھیجا۔ حضرت عبد اللہ وہاں اپنے والد کے ننہال بنو عدی بن نجار میں ایک ماہ بیمار رہ کر انتقال فرما گئے۔ اور وہیں دار نابغہ میں دفن ہوئے۔ حضرت عبد المطلب نے حضرت عبد اللہ کو تجارت کے لئے ملک شام بھیجا تھا۔ وہ واپس آتے ہوئے مدینہ میں بنو عدی میں ٹھہرے اور بیمار ہو کر یہیں رہ گئے۔ حضرت عبد اللہ کا ترکہ ایک لونڈی ام ایمن برکہ حبشہ اور پانچ اونٹ اور کچھ بکریاں تھیں۔(16)

---

(14) (سیرت رسول عربی ﷺ. خاندانی شرافت و سیادت. ج 1 ص 53 الی 54. مکتبة المدينة. الطبعة: 2014م)

(15) (سیرت رسول عربی ﷺ. خاندانی شرافت و سیادت. ج 1 ص 54 الی 55. مکتبة المدينة. الطبعة: 2014م)

(16) (السيرة الحلبية. باب وفاة والده صلی اللہ علیہ وسلم. ج 1 ص 74 الی 77. دار الكتب العلمية. الطبعة: الثانية 1427ھ)

واقعہ اصحاب فیل: تولد شریف سے ۵۵ دن پہلے ایک واقعہ پیش آیا جو اصحاب فیل کے نام سے مشہور ہے۔اس کی کیفیت بطریق اختصار یوں ہے کہ اس وقت شاہ حبشہ کی طرف سے ابرہہ یمن کا گورنر تھا،اس نے شہر صنعا میں ایک کلیسا بنایا اور شاہ حبشہ کو لکھا کہ میں نے آپ کے لئے ایک بے نظیر کلیسا بنوایا ہے میں کوشش کر رہا ہوں کہ عرب کے لوگ آئندہ خانہ کعبہ کو چھوڑ کر یہیں حج و طواف کیا کریں۔جب یہ خبر عرب میں مشہور ہو گئی تو بنی کنانہ میں سے ایک شخص نے غصہ میں آکر اس کلیسا میں بول وبراز کر دیا۔یہ دیکھ کر ابرہہ آگ بگولا ہو گیا اور اس نے قسم کھائی کہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ نہ بجادوں تو میرا نام ابرہہ نہیں۔اسی وقت فوج و ہاتھی لے کر کعبہ پر چڑھائی کی۔یہاں تک مقام مغمس میں جو مکہ مشرفہ سے دو میل ہے جا اترا۔اور ایک سردار کو حکم دیا کہ اہل مکہ سے چھیڑ چھاڑ شروع کرے۔چنانچہ وہ سردار قریش کے اونٹ اور بھیڑ بکریاں ہانک لایا جن میں دو سو اونٹ عبد المطلب بن ہاشم کے بھی تھے۔بعد ازاں ابرہہ کی طرف سے حناطہ حمیری گیا اور عبد المطلب کو ابرہہ کے پاس لے آیا۔ابرہہ نے عبد المطلب کا بڑا اکرام کیا۔اور دونوں میں بذریعہ ترجمان یہ گفتگو ہوئی۔

ابرہہ: تم کیا چاہتے ہو؟

عبد المطلب: میرے اونٹ واپس کر دو۔

ابرہہ: (متعجب ہو کر) تمہیں اونٹوں کا تو خیال ہے مگر خانہ کعبہ جو تمہارا اور تمہارے آباو اجداد کا دین ہے اور جسے میں ڈھانے آیا ہوں اس کا نام تک نہیں لیتے۔

عبد المطلب: میں اونٹوں کا مالک ہوں۔خانہ کعبہ کا مالک اور ہے اور وہی اس کا نگہبان ہے۔

ابرہہ: خانہ کعبہ مجھ سے بچ نہیں سکتا۔

عبد المطلب: پھر تم جانو اور وہ۔

اس گفتگو کے بعد عبد المطلب اپنے اونٹ لے کر مکہ میں واپس آ گئے اور قریش سے کہنے لگے کہ شہر مکہ سے نکل جاؤ اور پہاڑوں کے دروں میں پناہ لو۔یہ کہہ کر خود چند آدمیوں کے ساتھ لے کر خانہ کعبہ میں گئے اور دروازہ کا حلقہ پکڑ کر یوں دعا کی وہ دعا مستجاب ہوئی تھی۔

لَا همّ إِن الْمَرْء يمْنَع رَحْله فامنع حلالك   لَا يغلبن صليبهم ومحالهم عدوا محالك

فَإِذا فعلت فَرُبمَا تحمى فَأَمر مَا بدالك[17]

ترجمہ اشعار: اے اللہ بندہ اپنے گھر کو بچایا کرتا ہے تو بھی اپنا گھر بچا۔ایسا نہ ہو کہ کل کو ان کی صلیب اور ان کی تدبیر تیری تدبیر پر غالب آجائے۔اگر تو ہمارے قبلہ کو ان پر چھوڑنے لگا تو حکم کر جو چاہتا ہے۔

ادھر عبد المطلب یہ دعا کر کے اپنے ساتھیوں سمیت پہاڑوں کے درے (غار) میں پناہ گزیں ہوئے۔ادھر صبح کو ابرہہ خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے فوج اور ہاتھی لے کر تیار ہوا۔جب اس نے ہاتھی کا منہ مکہ کی طرف کیا تو وہ بیٹھ گیا بہت ڈنڈے مارے مگر نہ اٹھا۔آخر مکہ کی طرف سے اس کا منہ موڑ کر اٹھایا تو اٹھا اور تیز بھاگنے لگا۔غرض جب مکہ کی طرف اس کا منہ کرتے تو بیٹھ جاتا اور کسی دوسری طرف کرتے تو اٹھ کر بھاگتا۔[18]

---

[17] (الدر المنثور في التفسير بالمأثور، تحت سورت الفيل، 628/8 طبع: دار الفكر بيروت)

[18] (سیرت رسول عربی ﷺ، خاندانی شرافت و سیادت، ج 1 ص 56 الی 57، مكتبة المدينة، الطبعة: 2014م)

با ادب با نصیب: خود فرمائیے کہ ایک جانور وہ بھی کفار و دشمنانِ اسلام کے زیر اثر اور افسوس ہے اس برادری پر جو کلمہ اسلام پڑھ کر ادب پر شرک کا فتوٰی داغیں ایسے لوگوں کے لئے امام احمد رضا خان محدث بریلوی قدس سرہ نے فرمایا:

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب　　　　ایسے برے مذہب پر لعنت کیجئے

اونٹ نے سجدہ کیا: حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبد المطلب ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے اس نے سفید ہاتھی کو بلایا جو خانہ کعبہ منہدم کرنے لایا گیا تھا جب ہاتھی نے حضرت عبد المطلب کے چہرہ پر نورِ (مصطفی) پر نظر ڈالی تو وہ سجدہ میں گر گیا حالانکہ دوسرے ہاتھیوں کے برعکس ابرہہ کو سجدہ نہیں کرتا تھا گویا کہ یہ ہاتھی حق تعالیٰ کی مثبت کے مطابق حضرت عبد المطلب کے آگے سر جھکا کر زبان حال سے کہہ رہا تھا سلام ہو اس پر جو اے عبد المطلب تمہاری پشت میں ہے۔[19]

تبصرہ: ایک جانور جو لاشعوروں میں شمار ہوتا ہے اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور بھی نظر آیا جسے اس نے سجدہ کیا اور یہ بھی اسے پہچان ہوئی کہ یہ شخص رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جان ہیں۔ لیکن وہ مشہور برادری کیا کرتی اور کہتی ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

کفالت عبد المطلب رضی اللہ عنہ: جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم چار پانچ چھ یا سات برس کے ہوئے۔

سیدہ آمنہ آپ کو لے کر اُمِّ اَیمَن کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے گئیں اور وہاں ایک مہینہ گزار کر مکہ مکرمہ واپس ہونے لگیں تو دورانِ سفر مقام ابواء میں انتقال فرمایا اور اسی جگہ دفن کی گئیں۔[20] "ابواء" مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے ایک روایت میں ہے کہ سیدہ آمنہ کی قبر انور مکہ مکرمہ کے مقام "حُجُون" میں جانبِ مُعَلّا یعنی بلندی میں ہے بعض کہتے ہیں کہ ممکن ہے ابواء میں مدفون ہونے کے بعد انہیں مکہ مکرمہ منتقل کیا گیا ہو۔[21]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو یاد کرتے تھے جو آپ نے والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ کے قیام کے دوران مدینہ میں دیکھی تھیں اور جب اس مکان کو ملاحظہ فرماتے جس میں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اِقامت فرمائی تھی، تو فرماتے اس مکان میں میری والدہ ماجدہ نے قیام کیا تھا۔ اور آنے جانے والے یہودی میری طرف دیکھ کر کہا کرتے کہ یہ اس امت کا نبی ہے اور یہ شہر مدینہ ان کا مقامِ ہجرت ہے مجھے یہ سب باتیں یاد ہیں، ابو نعیم، زہری کی سند سے اسماء بنت جز ہم سے روایت کرتے ہیں کہ اسماء بیان کرتی ہیں: میں اس وقت حضرت آمنہ کے پاس موجود تھی جس مرض میں انہوں نے وفات پائی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانچ سال کے بچے تھے اور اپنی والدہ کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و کفالت حضور کے دادا حضرت عبد المطلب نے کی، حضرت عبد المطلب آپ کو اپنے تمام فرزندوں سے زیادہ محبوب جانتے تھے اور کبھی آپ کے بغیر دستر خوان نہ بچھاتے، جلوت و خلوت کے تمام اوقات حضرت عبد المطلب کے پاس ان کی مسند پر تشریف فرما رہتے تھے اور جب کوئی حضرت عبد المطلب کا مخصوص ہمنشین مجلسی آداب و قواعد کی رعایت سے چاہتا کہ آپ کو منع کرے تو حضرت عبد المطلب فرماتے: میرے فرزند کو چھوڑ دو کہ وہ اس مسند پر جلوہ فرما ہو۔ کیونکہ وہ اپنے اندر خاص شرافت و بزرگی محسوس فرماتے ہیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ کوئی عرب ان کے سامنے یا ان کے مرتبہ و مقام اور بزرگی و شرافت تک نہ پہنچے گا اہلِ قیافہ حضرت عبد المطلب سے کہتے کہ اس فرزند کی خوب نگہداشت اور محافظت کرو۔ کیونکہ ہم نے آپ جیسے قدم مبارک

---

(19) (مدارج نبوت (مترجم)، واقعہ فیل، 2/30، شبیر برادرز، الطبع 2004ء)

(20) (سیرت مصطفی، حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات، ج ص 81 الی 82، مکتبۃ المدینۃ، الطبعۃ: 2008م)

(21) (مدارج نبوت (مترجم)، باب دوم، کفالت اور انتقال عبد المطلب۔۔۔، 2/41، شبیر برادرز، الطبع 2004ء)

کسی کے نہیں دیکھے۔ آپ کے قدم مبارک میں وہ اثرات ونشانات ہیں جو مقام ابراہیم میں ہیں، جس سال حضرت عبد المطلب، قریش کے سرداروں کے ساتھ سیف زی یزن[22] کی تہنیت (مبارک باد پیش کرنے) کے لئے یمن کی جانب تشریف لے گئے تو اس نے عبد المطلب کو بشارت دی کہ آپ کی نسل سے نبی آخر الزمان ظاہر ہوں گے۔ اس سفر سے لوٹنے کے بعد حضرت عبد المطلب نے دیکھا کہ قریش میں شدید قحط پڑا ہوا ہے اور یہ قحط مسلسل کئی سال تک رہا اس وقت حضرت عبد المطلب نے غیبی اشارات کے بعد حضور اکرم ﷺ کے ساتھ دعائے استسقاء (بارش کی دعاء) کی اور حضور ﷺ کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر بارش کی دعا مانگی پھر خوب زور کی بارش ہوئی جس سے کئی سالوں کی خشکی ناپید ہوگئی۔ وفات کے وقت حضرت عبد المطلب کی عمر ایک سو دس سال (۱۱۰) تھی۔ ایک روایت میں ایک سو بیس سال (۱۲۰) اور ایک روایت میں ایک سو چالیس سال (۱۴۰) تھی۔[23]

کفالتِ ابوطالب: اگر چہ اسے حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی سوانحِ عمری سے کوئی تعلق نہیں لیکن چونکہ اس دوران بڑے عجیب و غریب واقعات رونما ہوئے جو کمالاتِ مصطفی ﷺ پر مبنی ہیں اس لئے جی چاہتا ہے کہ کچھ کوائف یہاں لکھ دیئے جائیں تاکہ اہلِ ایمان کے ایمان تازہ ہوں۔

عبد المطلب کے بعد حضرت ابو طالب جو حضور ﷺ کے حقیقی چچا تھے حضور ﷺ کے عہدہ کفالت میں لائے گئے۔ اگر چہ زبیر بن عبد المطلب بھی حضور ﷺ کے حقیقی چچا تھے لیکن حضرت عبد اللہ اور حضرت ابو طالب کے درمیان محبت وارتباط بہت زیادہ تھی۔ اور حضرت عبد المطلب انہیں وصیت فرما گئے تھے کہ حضور ﷺ کی محافظت خوب اچھی طرح کرنا اس وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک آٹھ سال تھی۔ نو، دس اور چھ سال بھی کہا گیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کو اس بات کا اختیار دیا گیا تھا کہ آپ اپنے چچاؤں میں سے کس کی کفالت میں جانا پسند فرماتے ہیں تو حضور ﷺ نے ابو طالب کی کفالت پسند فرمائی تھی اور حضرت ابو طالب نے حضور ﷺ کی کفالت و محافظت، ظہورِ نبوت سے پہلے اور اس کے بعد خوب اچھی طرح انجام دی۔ وہ حضور ﷺ کے بغیر کھانا تک نہ کھاتے اور حضور ﷺ کا بستر مبارک اپنے داہنے پہلو میں بچھاتے۔ گھر کے اندر اور باہر حضور ﷺ کو اپنے ہمراہ رکھتے۔[24]

ابو طالب نے حضور ﷺ کی مدح و ثناء میں بہت سے اشعار کہے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:

شق له من اسمه ليجله ... فذو العرش محمود وهذا محمد[25]

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس شعر کی اس طرح تضمین کی ہے۔

ألم تر أنّ الله أرسل عبده ... بآياته، والله أعلي وأمجد

وشقّ له من اسمه ليجلّه ... فذو العرش محمود وهذا محمد(ﷺ) [26]

روضۃ الاحباب میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

---

22) **سیف ذی یزن** یمن کے ایک عظیم بادشاہ تھے، جو حبشیوں کے تسلط سے یمن کو آزاد کروانے کے باعث مشہور ہیں۔ انہوں نے ایران کی مدد سے یمن پر قابض حبشیوں کو شکست دی اور یمن کی آزادی بحال کی۔ (س رضا)

(23) (مدارج نبوت (مترجم)، باب دوم، کفالت اور انتقال عبد المطلب۔۔۔، ج 2 ص 41 الی 42، شبیر برادرز، الطبع 2004ء)

(24) (مدارج نبوت (مترجم)، باب دوم، کفالت اور انتقال عبد المطلب۔۔۔، 2/42، شبیر برادرز، الطبع 2004ء)

(25) (الجامع لعلوم الإمام أحمد، باب فضائل النبي ﷺ، 4/100، دار الفلاح، الطبعة: الأولى، 1430 ھ 2009 م)

(26) (نهاية الإيجاز، الباب الأوّل في مولده الشريف إلى بعثته صلّى الله عليه وسلّم، الفصل الأوّل في مولده الشريف، زواج أبيه بأمه، 1/46، دار الذخائر، الطبعة: الأولى 1419 ھ)

وسیلہ مصطفی ﷺ: ابو طالب کے عہد کفالت میں بھی مکہ مکرمہ میں قحط پڑا تھا۔ چنانچہ ابن عساکر ابن عرفسط سے روایت کرتے ہیں کہ میں قحط کے زمانہ میں مکہ مکرمہ آیا تو لوگ مجتمع ہو کر استسقاء کے لئے ابو طالب کے پاس آئے اُن قریشیوں میں بچے بھی تھے اُن میں ایک فرزند آفتابِ تاباں (سورج کی روشنی) کی مانند نکلا جس کے چہرہ انور پر ابر (بادل) کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ ابو طالب نے اس فرزندِ جلیل کو لے کر خانہ کعبہ کے ساتھ اس کی پشت ملادی اور اس فرزند جلیل نے آسمان کی جانب انگشت مبارک سے اشارہ کیا حالانکہ اس سے پہلے آسمان پر بدلی (بادل) کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا اس کے بعد بادل ہر جانب سے گھر کر (امنڈ کر) آگئے اور اتنا سے کہ ندی نالے بھر گئے۔ اس وقت ابو طالب نے حضور ﷺ کی مدح میں یہ قصیدہ کہا:

وابیض یستسقی الغمام بوجہ   شمائل الیثامي عصمت للأرامل

یہ شعر اس قصیدے میں ہے جسے انہوں نے حضور ﷺ کی مدح وثنا میں کہا ہے۔ محمد ابن اسحاق اس قصیدہ کو اسی (۸۰) سے زیادہ اشعار پر مشتمل بتاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ انہوں نے اس قصیدے کو اس وقت لکھا جبکہ قریش حضور اکرم ﷺ کے خلاف مجتمع ہوئے تھے اور جو آپ پر اسلام لانے کا ارادہ کرتا وہ اس سے تَنَفُّرْ (نفرت) کرتے تھے۔ انہوں نے اس قصیدے میں کفار کی مذمت کی ہے اور قریش کے انکار اور ان کی عداوت (دشمنی) پر ملامت کی ہے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی اطاعت ویقین اور قبول کی طرف ترغیب دی ہے۔ ابن القین کہتے ہیں کہ ان کا یہ قصیدہ اس کی دلیل ہے کہ ابو طالب، حضور اکرم ﷺ کی نبوت کو بعثت سے پہلے ہی سے بحیرہ راہب وغیرہ جس کا نام پر جیسس تھا، کے خبر دینے کی بناء پر خوب جانتے تھے۔ شیخ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابو طالب نے اس قصیدے کو بعثت کے بعد لکھا ہے۔ ابو طالب کا حضور اکرم ﷺ کی نبوت کی معرفت کے بارے میں بہت ہی حدیثوں میں آیا ہے اور اس بناء پر شیعہ ان کے اسلام پر استدلال کرتے ہیں۔ شیخ موصوف نے فرمایا کہ میں نے علی بن حمزہ نصری کی وہ کتاب دیکھی ہے جس میں انہوں نے ابو طالب کے اشعار جمع کرکے دعوی کیا کہ وہ مسلمان تھے اور اسلام پر ہی وہ اس جہان سے گئے۔ اور حشویہ گمان کرتے ہیں کہ ان کی وفات کفر پر ہوئی ہے۔ اور وہ اس پر استدلال کرتے ہیں کہ کوئی چیز ان کی جانب سے اسلام پر ثابت نہیں ہے۔ محدثین نقل کرتے ہیں کہ ابو طالب کے حضور پر ایمان نہ لانے اور دعوتِ اسلام کے قبول نہ کرنے پر دلیل موجود ہے وہ نقل کرتے ہیں کہ ابو طالب کی وفات کے وقت حضور اکرم ﷺ نے ان کے سرہانے تشریف فرما ہو کر دعوتِ اسلام دی مگر ان کی جانب سے قبولیت واقع نہ ہوئی۔ نیز یہ بھی منقول ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا سر جھکا کر سنا کہ وہ کلمہ شہادت پڑھ رہے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے حضور ﷺ کو خبر دی کہ آپ کے چچا اسلام لے آئے۔ اس پر حضور ﷺ نے خوشی کا اظہار فرمایا۔[27] (واللہ اعلم)

ابو طالب کے کفر وایمان میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک کفر ہے اس کی تحقیق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے رسالہ میں پڑھئے دورِ حاضرہ میں چونکہ جہالت کا غلبہ ہے بات بات پر فتنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے اس میں تَوَقُّفْ (سکوت) بہتر ہے۔

بارہویں سال حضور ﷺ نے ملک شام کی جانب سفر فرمایا اور بصری پہنچے۔ اس سفر میں بحیرا راہب نے حضور ﷺ نبی آخر الزمان کی ان علامتوں اور صفتوں کو دیکھا اور پہچانا جو توریت، انجیل اور دیگر آسمانی کتابوں میں اس نے پڑھی تھیں۔ بحیرا راہب النصاری کے اَحْبَار (حواری یا پادری) میں سے ہے۔ اور زہد وورع کی صفت میں ممتاز تھا۔ بصری کے قریب ایک دیہات میں ایک صومعہ تھا جس میں وہ نبی آخر الزمان ﷺ کے دیدار کے انتظار میں عرصہ دراز سے ٹھہرا ہوا تھا

---

(27) (مدارج نبوت (مترجم)، باب دوم، کفالت اور انتقال عبد المطلب۔۔۔ 2/43، شبیر برادرز، الطبع 2004ء)

اور عمر گزار رہا تھا۔ اور کوئی جب قریش کا قافلہ اس راہ سے گزرتا تو وہ صومعہ سے نکل کر قافلہ میں آتا اور حضور اکرم ﷺ کو معلوم نشانیوں کی بناء پر تلاش کرتا جب ان میں وہ حضور ﷺ کو نہ پاتا تو واپس صومعہ چلا جاتا۔[28]

بادل سایہ فگن: ایک مرتبہ جب قریش کا قافلہ آیا تو اس نے دیکھا کہ بادل کا ایک ٹکڑا حضور ﷺ پر سایہ کئے ہوئے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ جب حضور ﷺ حضرت ابو طالب کے ساتھ کسی درخت کے نیچے آتے تو بادل درخت کے اوپر آجاتا۔ بحیرہ اس صورتِ حال کو حیرت و تعجب سے دیکھ رہا تھا اس کے بعد بحیرا نے اس قافلہ کو مہمان بننے کی دعوت دی اور قافلہ والوں کو بلایا تو ابو طالب حضور ﷺ کو قیام گاہ میں چھوڑ کر چلے گئے جب بحیرا نے ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو کر قیام گاہ پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ بادل کا ٹکڑا اپنی جگہ قائم ہے۔ راہب نے کہا قافلے والو! کیا کوئی تم میں سے ایسا شخص رہ گیا ہے جو یہاں نہیں آیا ہے۔ پھر انہوں نے حضور ﷺ کو بھی بلایا اور وہ بادل کا ٹکڑا ابھی آپ کے ہمراہ آپ کے سر مبارک پر سایہ کئے ہوئے آیا جب یہ قافلہ پہاڑ پر چڑھنے لگا تو بحیرا نے سنا کہ پہاڑ کا ہر شجر و حجر کہہ رہا ہے۔ "والسلام علیك یا رسول اللهﷺ" اس نے حضور ﷺ کے شانہ مبارک پر اس مہر نبوت کو بھی دیکھا اور اس کو اسی طرح پر پایا جس طرح آسمانی کتابوں میں اس نے پڑھا تھا۔ بحیرا نے اسے بوسہ دیا اور آپ پر ایمان لایا۔ بحیرا ان میں سے ایک ہے جو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم پر آپ کے اظہار نبوت سے پہلے ایمان لائے ہیں۔ جیسے حبیب بخارا، اصحاب قریہ وغیرہ کے قصے میں ہے۔ ابو مندہ اور ابو نعیم اسے صحابہ میں شمار کرتے ہیں۔ اس سفر میں سات افراد روم سے حضور ﷺ کے قتل کے ارادہ سے نکلے تھے۔ بحیرا نے دلائل واضحہ سے حضور ﷺ کی نبوت ان پر ثابت کر دی تھی۔ اور کہا تھا کہ یہ فرزند وہی ہے جس کی تعریف و توصیف، توریت و انجیل اور زبور میں آئی ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ خدا جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اسے کوئی بدل نہیں سکتا۔ منقول ہے کہ بحیرا نے ابو طالب کو وصیت کی کہ یہود و نصاریٰ سے حضور ﷺ کی خوب حفاظت کریں۔ کیونکہ یہ فرزند نبی آخر الزمان ﷺ ہو گا اور ان کا دین تمام دینوں کا ناسخ (ختم کرنے والا) ہو گا۔ اُنہیں شام لے کر نہ جاؤ کیونکہ یہود ان کے دشمن ہیں اس کے بعد ابو طالب اپنا سامانِ تجارت فروخت کر کے مکہ مکرمہ واپس آگئے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ ابو طالب نے حضور ﷺ کو کچھ لوگوں کے ساتھ مکہ مکرمہ واپس کر دیا اور خود شام کی جانب چلے گئے۔ یہ قصہ مشہور ہے، ترمذی نے اِسے حسن کہہ کر اسے صحیح قرار دیا ہے بجز اس کے کہ بعض روایتوں میں یہ آیا ہے کہ حضور ﷺ کو حضرت ابو بکر و حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہمراہ مکہ مکرمہ بھیج دیا۔ یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ اس سفر میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ نہ تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس وقت تک خریدا نہ گیا تھا۔ حضور ﷺ سے حضرت ابو بکر دو سال چھوٹے تھے۔ حالانکہ حضور ﷺ بارہ سال کے تھے اور شیخ ابن حجر "اصابہ" میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی سب ثقہ ہیں اور اس میں کوئی منکر نہیں ہے۔[29] حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی حضور ﷺ کی صحبت میں رہے ہیں، جیسا کہ مواہب لدنیہ میں روایت کی ہے جسے ابن مندہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بسندِ ضعیف روایت کیا ہے کہ سفر شام میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی صحبت پائی ہے۔ اس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اٹھارہ سال (۱۸) کے تھے اور حضور ﷺ بیس سال (۲۰) کے۔ یہاں تک کہ آپ نے اس منزل میں اقامت فرمائی جہاں بیری کے درخت تھے۔ اور حضور ﷺ کو درخت کے سایہ میں بٹھا کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ راہب کے پاس گئے جس کا نام بحیرا تھا۔ اور اس سے کچھ دریافت کیا۔ اس کے بعد راہب نے ان سے

---

[28] (مدارج نبوت (مترجم)، باب دوم، کفالت اور انتقال عبد المطلب۔۔۔2/43، شبیر برادرز، الطبع 2004ء)

[29] (مدارج نبوت (مترجم)، باب دوم، کفالت اور انتقال عبد المطلب۔۔۔2/43، شبیر برادرز، الطبع 2004ء)

پوچھاوہ کون شخص ہے جو درخت کے سایہ میں جلوہ افروز ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایاوہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہیں۔ راہب نے کہا خدا کی قسم یہ شخص نبی ہے اس لئے کہ ہماری خبروں میں ہے کہ اس درخت کے نیچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نہ بیٹھے گا بجز محمد ﷺ کے۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں حضور ﷺ کی تصدیق گھر کر گئی اور جب آپ ﷺ نے اظہارِ نبوت فرمایا تو آپ نے فی الفور آپ کی پیروی ختیار کی۔[30] (مدارج النبوۃ)

حضرت عبد المطلب کا ایمان: سوانح عمری کامل بیان کرنے کی بجائے ہم نے حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے حالات سے وہ اُمور عرض کئے ہیں جو آپ کے ایمان کی دلیل ہیں اور ان سے اہل ایمان کو تو یقین ہے کہ حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ نہ صرف مؤمن بلکہ ولی اللہ تھے۔ ان کے وسیلہ سے مشکلات حل ہوتیں۔ اہلِ مکہ آپ کے وسیلہ سے قحط پر بارش طلب کرتے تو بارش ہو جاتی آپ مستجاب الدعوات تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن منکر کو انکار و ضد نصیب ہے۔ ہمارے پاس اس کا علاج نہیں۔

اب ہم حضرت عبد المطلب کا ایمان قرآن مجید کی آیات اور احادیث مبارکہ سے ثابت کرتے ہیں۔

قرآنی آیات: مندرجہ ذیل آیات سے مفسرین و محدثین و علماء، اسلام نے حضور سرور کونین ﷺ کے آباؤ امہات کے ایمان و اسلام کے لئے استدلال کیا ہے۔

ا۔ وَلَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَيۡرٌ مِّن مُّشۡرِكٍ (سورۃ بقرہ: ۲۲۱، پ ۲) **ترجمہ**: مومن غلام مشرک سے بہتر ہے۔

فائدہ: یہ تو سب جانتے ہیں کہ مسلمان حسب و نسب میں کتنا ہی کم کیوں نہ ہو وہ مشرک سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اگرچہ مشرک قوم کے لحاظ سے کتنا اونچا کیوں نہ ہو۔ اگر بقول مخالفین حضور سرور کونین ﷺ کے دادا اور والدین کو غیر مسلم مانا جائے تو نسبِ نبوی (آپ ﷺ کے نسب) میں نقص و عیب لازم آئے گا۔ اور ہمارے حضور ﷺ از ہر جہت (ہر جہت سے) عُیوب ونَقائِص سے مُنزہ و مُقدّس ہیں۔

تائید حدیث پاک: حضور نبی پاک شہ لولاک ﷺ نے فرمایا:

«بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُونِ بَنِي آدَمَ، قَرْنًا فَقَرْنًا، حَتَّى كُنْتُ مِنَ القَرْنِ الَّذِي كُنْتُ فِيهِ»[31]

ترجمہ: میں تمام قرون آدم کے ہر قرن وطبقہ میں سے بہتر میں مبعوث ہوا۔ یہاں تک کہ میں اس قرن میں پیدا ہوا جو صدق ہی صدق ہے۔

فائدہ: آیت مذکورہ احدیثِ ہذا کو ملایا جائے تو ہمارا مدعا صاف نظر آئے گا۔ آیت میں فرمایا گیا کہ مشرک سے مومن غلام بہتر ہے۔ اور حضور علیہ السلام کے ارشاد سے پتہ چلا کہ میں خیر قرون سے ہوں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ میں ایمان والوں کی پشت سے ہوں۔

حدیثِ مبارکہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فَلَمْ يَزَلْ عَلَى وَجْهِ الأَرْضِ سَبْعَةٌ مُسْلِمُونَ فَصَاعِدًا، فَلَوْلاَ ذَلِكَ هَلَكَتِ الأَرْضُ وَمَنْ عَلَيْهَا[32]

ترجمہ: روئے زمین پر ہر زمانے میں کم سے کم سات (۷) مسلمان رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو تا تو زمین اور اہل زمین سب ہلاک ہو جاتے۔

---

(30) (المواهب اللدنية، المقصد الأول، ذكر حضانته صلى الله عليه وسلم، 116/1، المكتبة التوفيقية)

(31) (البخاری، كتاب المناقب، باب صفة النبی ﷺ، 189/4، الحديث: 3557، دار طوق النجاة، الطبعة: الأولى، 1422هـ)

(32) (المصنف لعبد الرزاق، 344/4، الحديث: 9316، دار التاصيل، القاهرة، الطبعة: الأولى، 1436 هـ 2015م)

یہ روایت امام بخاری وغیرہ کے استاذ کی بیان کردہ ہے۔ جو شیخین (بخاری ومسلم) کے شرط کے عین مطابق ہے۔

تبصرہ اویسی غفرلہٗ: غیر مقلدین وہابیوں یا دیوبندیوں یا دیگر ان کے ہمنوا ہم (پیروکار) سے ہر مسئلہ پر قرآن وحدیث سے دلیل مانگتے ہیں جب ہم اُنہیں قرآن وحدیث سناتے ہیں تو اپنی مارنے لگ جاتے ہیں۔ فقیر کی گزارش صرف حق کے متلاشی سے ہے کہ آیت میں فرمایا کہ مومن مشرک سے بہتر ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ از آدم تا افضل نبی آدم ﷺ، دھرتی کم از کم سات اہلِ ایمان سے خالی نہیں رہی۔[33] اب ہمارا سوال ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ کے اجداد وامہات والدین کریمین کے زمانے میں وہ سات (۷) مومن کون تھے۔ تمہارے نزدیک حضرت عبد المطلب بھی کافر اور حضور سرور کونین ﷺ کے والدین کریمین بھی بقولِ شُما، (تمہارے بقول) یہ ان ساتوں مومنوں میں نہیں تو تم اُن کے نام بتادو تاکہ ہم اس حدیث پاک کا مصداق صحیح سمجھیں اگر تم نہیں بتاسکتے تو لیجئے ہم بتاتے ہیں۔

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ والمعنى ان الكافر لا يستاهل أن يطلق انه من خير القرون الخ.[34]

ترجمہ: یعنی شرعاً کافر ہر گز اس کا اہل نہیں ہو سکتا کہ وہ خیر قرن سے ہو۔ خیر قرن مومن ہی ہو سکتا ہے۔

خلاصہ: یہ کہ رسولِ خدا ﷺ کے آباؤ امہات، والدین کریمین آیت مذکورہ اور دونوں حدیثوں کے مطابق مومن کامل اور ناجی و جنتی ہیں۔ یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ اور یہی ہمارا دین وایمان (فلله الحمد على ذالك)

۲۔ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ (پ۱۰، سورہ توبہ: ۲۸) **ترجمہ:** کافر تو ناپاک ہی ہیں؟

تائید از حدیث شریف: نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے۔

لم ازل انقل من أصلاب الطاهرين الى ارحام الطاهرات[35] (رواه ابو نعيم ، فى دلائل النبوة عن ابن عباس)

ترجمہ: یعنی میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک بیبیوں کے پیٹوں کی طرف منتقل ہوتا رہا۔

اب مندرجہ بالا آیت وحدیث کو آپس میں ملایا جائے تو مطلب بالکل واضح ہو جائے گا۔ کیونکہ قرآن عظیم نے بِلاشُبہ مشرکین کے نجس ہونے کا فیصلہ فرمایا اور حدیث پاک میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے آباؤ و امہات کو طیب و طاہر فرمایا۔ مشرکین نجس ہیں کبھی طاہر نہیں ہو سکتے۔ اور حضور ﷺ کے آباؤ اجداد طاہر اور طیب ہیں وہ کبھی بھی نجس نہیں ہو سکتے۔ نتیجہ نکلا کہ حضور ﷺ کے آباؤ وامہات مومن اور مسلمان تھے۔ مطلب صرف اتنا ہے کہ جس پیشانی میں نور نے بسیرا فرمایا ہے وہ ہر گز جہنم کا ایندھن نہیں ہو سکتا۔ تو لازماً ماننا پڑے گا کہ حضرت سیدنا عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جہنمی ماننا خود کو جہنم میں ٹھونسنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ سینکڑوں واقعات احادیث مبارکہ میں موجود ہیں جن میں تصریحات ہیں کہ حضور سرور عالم ﷺ کے

---

(33) (سبل الهدى ،الباب الرابع في شرح أسماء آبائه صلى الله عليه وسلم وبعض أحوالهم على وجه الاختصار ،256/1 ،دار الكتب العلمية، ، الطبعة: الأولى، 1414 هـ 1993 م)

(34) (THE NOBLE PARENTS & ANCESTORS OF THE NOBLE RASOOL صلى الله عليه وسلم ARE MUSLIMS ،the first proof ،15/1 ،Noori Publications، ،Published: May 9, 2021)

(35) (إتحاف القاري بدرر البخاري،9/3 ،الحديث: 9316 ،المصدر: الشاملة الذهبية)

نوٹ: ابونعیم نے اس روایت کو ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے: لم يلتق أبواي في سفاح، لم يزل الله عز وجل ينقلني من أصلاب طيبة إلى أرحام طاهرة، صافيا، مهذبا، لا تتشعب شعبتان إلا كنت في خيرهما (دلاءل النبوة لابي نعيم، 57/1، ذكر فضيلته صلى الله عليه وسلم بطيب مولده، وحسبه ونسبه، دار النفائس بيروت، الطبعة الثانية)

متعلقات (خاندان) سے جو بھی متعلق ہوا، اس پر جہنم کی آگ حرام ہو گئی بلکہ پشتوں تک اُن کی اولاد پر روزے کی حرمت کا خوش خبری خود مبشر و بشیر نبی ﷺ نے سنائی اور دینوی آگ کے حرام ہونے کے واقعات تو بے شمار ہیں۔ تفصیل فقیر کی کتاب العشرات میں ہے۔

۳۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (المنافقون:۵)

ترجمہ: اور بے شک عزت اللہ کے رسول (ﷺ) اور مومنوں کے لئے ہے۔

فائدہ: آیت میں عزت کا حصر (تعلق) اللہ و رسول اور ایمان والوں میں ہے۔ کافر و مشرک کتنا ہی اونچا اور بلند قدر کیوں نہ ہو وہ رذیل و ملئیم (ذلیل و رسوا) و خوار ہے اور ظاہر ہے کہ یہ آیت حضور علیہ الصلوات والسلام کی مدح و ثناء پر مبنی ہے۔ اسی لئے اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد و امہات اہلِ ایمان اور مسلمان ہوں۔ ورنہ مدح نہ ہو گی۔ اور نہ ہی کوئی رذیل (ذلیل) سے رذیل (ذلیل) انسان اپنے آباؤ اجداد کو لئیم رذیل کی اولاد و لئیم ماننے کو تیار ہے۔ خود مخالفین کو کہا جائے کہ تم رذیل انسانوں کی اولاد ہو تو بیخ پا (جھگڑا) ہو جائیں گے۔ آپ کو اپنے لئے تو ایسا اطلاق گوارہ نہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کیوں؟ نہ صرف روا بلکہ لڑنے جھگڑنے کو تیار ہیں۔

فائدہ: خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے فضائلِ کریمہ میں رجز[36] و مدح کے مواقع پر متعدد بار اپنے آباؤ اجداد اور امہات کا ذکر خیر سے بیان فرمایا۔ چنانچہ حنین کا واقعہ یاد کیجئے کہ جب کفار نے تھوڑی دیر کے لئے غلبہ پایا۔ اور چند لوگ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی پناہ میں تھے۔ رسول اللہ ﷺ یہ الفاظ بیان فرماتے ہیں: أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ[37]

ترجمہ: "میں نبی ہوں۔ اس میں شک نہیں۔ میں صاحبزادہ ہوں عبد المطلب کا۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ رجز پڑھتے ہوئے سواری سے نزول فرمایا ایک مٹھی خاک دست مبارک میں لے کر کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا "شَاهَتِ الْوُجُوهُ" (بگڑ گئے چہرے) وہ خاک کافروں پر ایک ایک کی آنکھ میں پہونچی اور سب کے منہ پھر گئے۔[38]

بعض روایات میں رجز کا آخر یوں ہے: أنا ابن العواتك من سليم[39]

ترجمہ: یعنی میں بنی سلیم سے ان چند خاتونوں کا بیٹا ہوں جن کا نام عاتکہ ہے۔

فائدہ: بعض علماء کے نزدیک حضور علیہ الصلواۃ والسلام کے جدات میں نو بیبیوں کا نام عاتکہ ہے۔ بعض کے نزدیک عاتکہ بارہ ہیں بعض روایات میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنا نسب نامہ اپنے فضائل کریمہ میں اکیس پشت تک بیان فرمایا کہ میں سب سے نسب میں افضل باپ میں افضل ہوں، اور کسی مشرک یا کافر باپ داد پر فخر کرنا نہ تو عقلاً جائز ہے اور نہ ہی عرفاً۔

تو یہ حضور علیہ السلام کے لئے کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ معاذ اللہ مشرک یا کافر باپ دادا کے نسب پر فخر فرمائیں۔ تو بحکم نصوص (دلائل) ثابت کہ حضور ﷺ کے آباؤ و امہات مسلمین و مسلمات تھے۔

---

36) رجز عربی شاعری کی ایک صنف ہے جو عموماً جنگ کے میدان میں، بہادری، شجاعت، اور خود اعتمادی کے اظہار کے لیے کہی جاتی تھی۔ (س رضا)

(37) (شعب الايمان، باب الايمان برسل الله، 279/1، الحديث 132، مكتبة الرشد، الطبعة: الأولى، 1423 هـ 2003 م)

(38) (مسند ابي يعلىٰ الموصلی، مُسْنَدُ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، 66/12، الحديث: 6708، طبع: دار المأمون للتراث، الطبعة: الأولى، 1404 1984)

(39) (معجم الشيوخ، محمد بن أحمد بن محمد بن عبد السلام بن قيداس، 869/2، الحديث: 1094، دار البشائر، الطبعة: الأولى 1421 هـ 2000 م)

نتیجہ: اس عمومی قاعدہ پر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے آباو وامہات بطریق اولی مومن اور مسلمان ہوئے۔

۴۔ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (پ۔۱۲): سورہ ہود: ۴۶)

ترجمہ: اے نوح یہ کنعان تیرے اہل سے نہیں یہ تو عمل غیر صالح ہے۔ (تیرا نافرمان ہے)

فائدہ: آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے مومن و کافر کا نسب قطع فرما دیا۔

حدیث سے دلیل: حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: «نَحْنُ بَنُو النَّضْرِ بْنِ كِنَانَةَ. لَا نَقْفُو أُمَّنَا، وَلَا نَنْتَفِي مِنْ أَبِينَا»[40]

ترجمہ: یعنی ہم نضر بن کنانہ کے بیٹے ہیں۔ ہم اپنے باپ سے اپنا نسب / جدا نہیں کرتے۔

ان دونوں یعنی آیت قرآن مجید و حدیث کو ملاؤ تو نتیجہ نکلے گا کہ آپ کے آباؤ اجداد اور امہات اہل ایمان تھے کیونکہ اگر معاذ اللہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے سلسلہ نسب میں کوئی کافر تھا تو باقی رکھنے یا ان پر فخر کرنے کا کیا معنی۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے آباؤ و امہات سب موحد مومن تھے لہذا ان پر فخر کرنا ان کا نسب رکھنا اپنی جگہ بالکل درست اور بجا ہے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں۔

۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنا کر دعاء کی تھی: وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ. (سورۃ بقرہ: ۱۲۸)

ترجمہ: مولا ہماری اولاد میں ایک مسلمان جماعت رکھنا۔

پھر فرمایا: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (سورۃ بقرہ: ۱۲۹) **ترجمہ:** اور اس مسلمان جماعت میں آخری نبی بھیجنا۔

فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے پوری ہوئی۔

جیسا کہ حدیث صحاح میں ہے: أنا دعوة أبي إبراهيم[41]

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام مُسلم ذُرِّیَّتْ (مسلمان گھرانے) سے پیدا ہوئے۔ اور یہی ہمارا مقصد ہے کہ آپ کے آباؤ امہات تمام مومن تھے۔

۶۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (پ۔ ۱۱ سورہ توبہ: ۱۲۸)

ترجمہ: بے شک آئے تمہارے پاس عظیم رسول جو تم میں سے ہیں۔

ایک قراۃ میں فاء کے فتح کے ساتھ ہے۔[42]

---

[40] (سنن ابن ماجه، كتاب الحدود، باب من نفى رجلا من قبيلة، 871/2، الحديث: 2612، دار إحياء الكتب العربي)

[41] (المستدرک علی الصحیحین، تفسیر سورۃ الاحزاب، 453/2، الحدیث: 3566، دار الکتب العلمیة، الطبعة: الأولى، 1411 1990)

[42] (شرح الشفاء لملا علی القاری، باب اول، فصل اول، 40/1، دار الکتب العلمیہ بیروت)

فائدہ: اب معنی یہ ہوا کہ تمہارے پاس یہ عظمت والے رسول نفیس ترین جماعت میں سے تشریف لائے اور کافر نفیس نہیں بلکہ خسیس (بدتر) ہے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے آباؤ امہات طیب، طاہر اور نفیس ترین تھے۔ لیکن چونکہ وہابی خود خسیس ورذیل (بدتر لوگ) ہیں۔ اس لئے وہ رسول اللہ ﷺ کے ماں باپ کو کافر کہہ کر اپنی رذالت وخساست (بدترین لوگ ہونے) کا ثبوت دیتا ہے۔

۷۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿٢١٧﴾ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٢١٨﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ (سورہ شعراء:۲۱۷تا۲۱۸)

ترجمہ: بھروسہ کر غالب مہربان پر جو تجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہوتا تھا اور تیرا کروٹیں بدلنا سجدہ کرنے والوں میں۔

فائدہ: امام رازی فرماتے ہیں: آیت شریف کا معنی یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا نور پاک ساجدوں سے ساجدین کی طرف منتقل ہوتا رہا۔[43]

فائدہ: آیت میں دلیل ہے کہ سب آباء کرام مسلمین تھے۔ امام سیوطی وابن حجر مکی وعلامہ زرقانی نے اس تقریر کی تائید وتوثیق فرمائی اور روح البیان میں فرمایا: وحق المسلم ان يمسك لسانه عما يخل بشرف نسب نبينا عليه السلام ويصونه عما يتبادر منه النقصان خصوصا الى وهم العامة۔[44]

۸۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى (سورۃ والضحیٰ:۵) **ترجمہ:** البتہ عنقریب تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

فائدہ: عالم قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رِفعت کا کیا کہنا کہ انبیاء بھی آپ کا منہ تکتے ہوں گے۔ اور آپ کی اِجابت (قبولیت) کا تو یہ عالم ہے جسے خود اللہ تعالیٰ نے ابھی سے کہہ دیا کہ: إنا سنرضيك في أمتك ولا نسوءك[45]

ترجمہ: قریب ہے کہ ہم تجھے تیری امت کے بارے میں راضی کریں گے اور تیرا دل میلانہ کریں گے[46] (مسلم)

فائدہ: اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم علیہ الصلواۃ والسلام کے ساتھ ابھی سے وعدہ فرما دیا کہ،

كلهم يطلبون رضائي وانا اطلب رضاك يا محمد (ﷺ)

ترجمہ: اس کا ترجمہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ایک شعر میں قلمبند فرمایا:

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم — خدا چاہتا ہے رضائے محمد (ﷺ)

اعجوبہ: قیامت کے دن حضور علیہ الصلواۃ والسلام کا یہ حال ہو کہ ایک امتی کو بھی دوزخ میں نہ رہنے دیں اور ماں باپ دوزخ میں اور امت کے معاملہ میں تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی شفاعت پروردگار قبول نہ فرمائے؟ کوئی صحیح الدماغ انسان ماننے کو تیار نہیں کہ آپ کے آباؤ امہات کے بارے میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو یہ گوارہ ہو کہ وہ معاذ اللہ جہنم میں رہیں اور باقی ساری امت بہشت میں۔

۹۔ اَللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (الانعام:۱۲۴) **ترجمہ:** اللہ تعالیٰ سب سے محترم جگہ وضع رسالت کے لئے انتخاب فرماتا ہے۔

فائدہ: وجہ یہ ہے کہ کبھی کم قوموں رذیلوں میں رسالت نہیں رکھی گئی پھر کفر وشرک سے زیادہ رذیل کون سی چیز ہو سکتی ہے۔

---

[43] (التفسير الكبير، تحت تفسير سورة الشعراء 74، 40/1، دار إحياء التراث العربي – بيروت، الطبعة: الثالثة 1420 هـ)

[44] (روح البيان، تحت تفسير سورة الشعراء 219 الی 220، 313/6، دار الفكر – بيروت)

[45] (الخصائص الكبرى للسيوطی، باب دعاء رد البصر للأعمى 386/2، طبع: دار الكتب العلمية بيروت)

[46] (صحيح مسلم، كتاب الايمان، بَابُ دُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأُمَّتِهِ، 191/1، الحديث: 346، دار إحياء التراث العربي – بيروت)

وہ کیونکر اس قابل کہ اللہ عزوجل نورِ رسالت اس میں ودیعت رکھے کفار محل غضب ولعنت ہیں اور نور رسالت کے وضع کو محلِ رضا رحمت درکار ہے تو معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا نور اصلابِ طیبہ (پاک پشتوں) سے ارحامِ طاہرہ کی طرف گردش کرتا ہوا حضرت عبد اللہ اور آمنہ خاتون میں ظاہر ہوا اور وہ سب کے سب کفر وشرک الحاد وبے دینی کی آلودگیوں سے پاک ومُنزہ تھے۔

۱۰۔إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ البرية (6) إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ(7)(سورۃ البینہ:۶تا۷)

ترجمہ: بے شک سب کافر کتابی اور مشرک جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے وہ سارے جہان سے بدتر ہیں۔ بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ سارے جہان سے بہتر ہیں۔

۱۱۔وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا (بنی اسرائیل:۱۵) **ترجمہ**: ہم کسی قوم کو بغیر ان میں رسول بھیجے ہوئے عذاب نہیں دیتے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ چونکہ حضرت عبد المطلب اور آپ کے والدین کریمین کو دعوت نہیں پہونچی اس لئے انہیں عذاب نہیں کہ وہ حضرات دین ابراہیم علیہ السلام پر تھے۔

تفسیر: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ،

أي تقلبك من اصلاب الطاهرين من أب الى اب الى ان جعلك نبيا [47]

ترجمہ: آپ کا پاکیزہ پشتوں میں گردش کرنا ایک باپ سے دوسرے باپ کی طرف یہاں تک کہ آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔

نکتہ: آپ کے جملہ اجداد وآباء کے واقعات پڑھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرات دولتِ ایمان سے معمور (مشرف) تھے بلکہ ایمان میں ذوق ہو تو محسوس ہوگا کہ حضور سید عالم ﷺ کے آباؤامہات کے مومن ہونے کی مضبوط دلیل ہے۔

استدلال از آیت نور:

اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلَى نُورٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ .(سورۃ نور:۳۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے اس کے نور کی مثال طاق کی طرح ہے جس میں چراغ رکھا ہو اور چراغ قندیل میں ہو اور وہ قندیل چمکدار ستارے کی طرح درخشاں ہو جو برکت والے درخت کے روغن سے جلایا جاتا ہے۔ جس کا نام زیتون ہے وہ ممالک شرقی میں ہے۔ ارض غربی میں قریب ہے کہ اس کا روشن روشنی دے اگرچہ اس کو آگ نہ چھوئے۔ نور علی نور ہے۔ اللہ تعالیٰ راہ دکھاتا ہے اپنے نور کی طرف جس کو چاہے۔

حوالہ جات معتبر ومستند تصنیفات: شفاء شریف ص ۱۳، مواہب الدنیہ ص ۷۵ تفسیر عباسی ص ۴۲۵، کعب بن محمد قرظی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے:

---

(47) (الحاوی للفتاویٰ، باب مسالک الحنفاء، 267/2، طبع: دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت لبنان)

المشكاة إبراهيم، والزُّجاجَةُ إسماعيل، الْمِصْباحُ محمد صلى الله عليه وسلّم [48] و شجرةٌ مباركةٌ إبراهيمُ، و سماه مباركا، لأنَّ أكثرَ الأنبياءِ من صُلْبِه الخ. نورُ نبيٍّ من نسلِ نبيٍّ، نورُ محمدٍ و نورُ إبراهيمَ. [49]

ترجمہ: مشکوٰۃ یعنی محراب سے مراد سیدنا ابراہیم خلیل اور قندیل سے سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام اور چراغ سے مراد سید الانبیاء والمرسلین رحمۃ اللعالمین محبوب رب العالمین حضرت محمد رسول ﷺ ہیں اور درخت مبارک سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ خدا نے اس وجہ سے ان کا نام نامی اسم گرامی مبارک رکھاہے کہ تمام اشیاء بنواسرائیل علیہم السلام آپ کے جداعلیٰ ہیں۔ نور علی نور۔ آپ نبی ہیں نسل حضرات انبیاء اکرم علیہم السلام سے:

پدر نورست پسر نورست مشہود ازینجا فہم کن نور علی نور

استدلال عاشقانہ: حضرت امام اسماعیل حقی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ روح البیان ص ۹۷۴ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ،

وكان عليه السلام علة غائية لوجود كل كون فوجوده الشريف وعنصره اللطيف أفضل الموجودات الكونية وروحه المطهر أمثل الأرواح القدسية وقبيلته أفضل القبائل ولسانه خير الالسنة وكتابه خير الكتب الإلهية وآله وأصحابه خير الآل وخير الاصحاب وزمان ولادته خير الأزمان وروضته المنورة أعلى الأماكن مطلقا [50]

یعنی آپ ﷺ کی ذاتِ عالی تمام کائنات ارضی وسمائی کے لئے بمنزلہ عِلّتِ غَایَہ کے ہے۔ حضور پر نور کا وجود مبارک ہے جد بزرگ آپ کا عنصر لطیف بے حد پاکیزہ و مقدس ہے۔ اور تمام موجودات کونیہ سے افضل اور عند اللہ بے حد اکرم ہے اور جناب کی روح گرامی تمام ارواح گرامی بلکہ تمام ارواح مقدسہ سے عند اللہ افضل واشرف ہے۔ اور آپ کا قبیلہ گرامی قبائل عرب کا سردار اور سرتاج ہے۔ آپ کی بولی تمام بولیوں سے افضل ہے۔ آپ کی آل گرامی اصحاب کبار تمام نبیوں کی آل واصحاب شریف سے بلند پایہ ہیں۔ اور آپ کی پیدائش تمام زمانوں سے افضل اور آپ کا روضہ مطہرہ تمام مقامات مقدسہ سے مطلقاً افضل ہے۔ یہاں تک کہ عرش، کرسی، بہشت، کعبہ بیت المعمور سب سے افضل ہے۔ (اس پر جملہ علماء متفق ہیں۔ اب فیصلہ فرمائیے کہ اس نسبت پر آباؤ امہات کو افضلیت نہ دی جائے تو کم از کم ایمان کی دولت سے محرومی کی تہمت تو نہ لگائیے۔)

تفسیر حسینی کا ترجمہ: تفسیر قادری ص ۱۳۲ جلد ثانی میں ہے کہ روح الارواح میں ہے کہ، نور سے مراد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نور گرامی مراد ہے۔ مشکوٰۃ سے مراد سیدنا ابوالبشر آدم علیہ الصلاۃ والسلام اور زجاجہ شیخ الانبیاء حضرت نوح علیہ السلام اور زیتون حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی ذات گرامی کی طرف اشارہ ہے۔ [51]

نکتے ہی نکتے: حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کعبہ معظمہ کی تعمیر کے وقت دعاء کی تھی:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (البقرۃ:۱۲۸)

---

(48) الفاظ تھوڑے مختلف ہیں۔

(المواهب اللدنية بالمنح المحمدية.2/558.المقصد السادس فيما ورد فى آي التنزيل من تعظيم قدره صلى الله عليه وسلم. النوع السادس فى وصفه تعالى له ص بالنور والسراج المنير. المكتبة التوفيقية. القاهرة مصر)

(49) (التفسير المظهري. سورة النور. فائدة.6/531.مكتبة الرشدية – الباكستان. الطبعة: 1412 ه)

(50) (روح البيان.تحت تفسير سورة التوبة تحت آيت 128. 3/543. دار الفكر – بيروت)

(51) (تفسير قادری. تحت تفسیر سورة النور تحت آيت 35. 1/469.ایچ ایم کمپنی)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو مُسْلِمَيْنِ لَكَ (اپنا مطیع و فرمانبردار) بنا۔ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت قائم رکھے جو (مُسْلِمَةً لَّكَ) تیری مطیع و فرماں بردار ہوں۔ پھر عرض کیا: وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ (البقرۃ:۱۲۹) اور اسی جماعت (مسلمہ) میں سے اس رسول کو مبعوث فرما۔ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی دعا یقینا مستجاب (قبول) ہوئی کہ نبی پاک ﷺ نے اسی جماعت میں سے پیدا ہوئے ہیں۔ خود حضور اکرم ﷺ بھی فرماتے ہیں:

لم يزل الله ينقلني من الأصلاب الكريمة والأرحام الطاهرة حتى أخرجني. (52)

یعنی اللہ تعالی مجھے اصلابِ طیبہ (پاک پشتوں) اور ارحامِ طاہرہ سے منتقل کرتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ مجھے (میرے والدین سے) نکالا۔

نکتہ نمبر ۲: طاہرین و طاہرات، اصلاب و ارحام پر مخالفین کا ہمارے ساتھ اتفاق ہے، کیونکہ یہ الفاظ صحاح کے مرویہ ہیں اور ظاہر ہے طہارتِ ظاہرہ و باطنہ ہر دونوں کو شامل ہے۔ ظاہرہ طہارت میں بھی مخالفین کو انکار نہیں ہاں طہارتِ باطنہ (ایمان و اسلام) سے انکار ہے۔ اور وہ بھی محض ظلمات (گمراہی) پر مبنی ہے۔ دلیلِ قطعی ان کے پاس نہیں ہے۔ بخلاف ہمارے کہ ہم نے اسلام و ایمان سے طہارت باطنیہ پر زوردار دلائل قائم کئے ہیں۔ کم از کم یہ تو مانتے ہوں گے کہ اِن نصوصِ مُسَلَّمہ (قرآن و حدیث) میں مطلق طہارت کا ذکر ہے تو "المطلق" کو اپنے اطلاق میں رہنا ضروری ہے۔ جب تک اس کے لئے اس جیسا مقید و مخصص (اس جیسی دلیل) قائم نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ اس مطلق کے بالمقابل جتنا قیود و تخصصات مخالفین پیش کرتے ہیں وہ سب ظلمات (گمراہی) ہیں۔ پھر ہمارے ہاں اسی روایت میں طہارت کے ذکر کے بعد لفظ نکاح بھی وارد ہے جیسے: ہم نے روایات میں لفظ نکاح کی تصریح لکھی ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا نکاح ادیان حقہ کی دلیل ہے یا نہ سفاح سے رسول اللہ ﷺ نے طہارت ظاہرہ کا ذکر فرمایا۔ نکاح سے طہارت باطنہ کا۔ ورنہ افصح العرب رسول اللہ ﷺ تکرار مضمون کی کیا ضرورت تھی؟ جب کہ تکرارِ مضمون، خلافِ فصاحت و بلاغت ہے۔

۳۔ مزار میں جس جگہ پر حضور ﷺ تشریف فرما ہیں وہ عرش معلی سے افضل ہے:

عجیب معاملہ ہے کہ مٹی کے جس ٹکڑے کے اندر آپ ہوں وہ تو عرش معلی سے افضل ہو جائے اور جس باپ کی صُلب (پشت) اور جس ماں کے شِکم میں رہے ہوں اور جس ماں کا دودھ پیا ہو وہ جہنمی اور مشرکین ہی رہیں۔ (معاذ اللہ) یہ کسی گندے ذہن کا تصور تو ہو سکتا ہے اہل فہم و فکر کو گوارا نہیں کہ اس کو ذہن میں لائے، چہ جائیکہ اسے وہ اپنا عقیدہ بنائیں۔

۴۔ رسول پاک ﷺ سے ہر نسبت کو ترقی ملی:

ا۔ امت کو خیر امت سے، ۲۔ صحابیت کو جملہ انبیاء علیہم السلام کے صحابہ سے۔ ۳۔ ولایت کو جملہ اولیائے سابقین سے ۴۔ گھرانے کو جملہ گھرانوں سے۔

۵۔ شہر کو جملہ بلاد سے۔ ۶۔ ملک کو جملہ ممالک سے۔ ۷۔ زمانے کو جملہ ازمان سے، ۸۔ دین کو جملہ ادیان سے ۹۔ اولاد، ۱۰۔ خاندان، ۱۱۔ کنبہ ۱۲۔ ازواج کو یہاں تک کہ اس پانی کو جو پنجہ مبارک سے نکلا۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو پھر آباؤ امہات کی نسبت اتنا گھٹا کے رکھ دی گئی کہ ایمان سے بھی خارج۔ (معاذ اللہ)

۵۔ پہلے عرض کیا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بلکہ ہر نبی علی نبینا و علیہم اسلام مستجاب الدعوات تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے دعائیں فرمائیں۔ اور اللہ تعالی نے ان کی اولاد میں ایمان کی خبر دی:

---

(52) (الخصائص الکبری للسیوطی ,لطیفۃ أخری في أن اخذ المیثاق, 66/1, دار الکتب العلمیۃ بیروت)

۱۔وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينَ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۔(الزخرف:۲۶تا۲۸)

ترجمہ: اور جب کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں بیزار ہوں تمہارے معبودوں سے مگر وہ جس نے مجھے پیدا کیا وہ عنقریب مجھے راہ دے گا۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اس کلمہ (توحید) کو اپنے پیچھے (اپنی اولاد میں) باقی چھوڑا تا کہ وہ راجع (منتقل ہوتے) رہیں۔

فائدہ نمبر ۱ : امام عبد بن حمید اپنی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالٰی کے اس قول: وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ (الزخرف:۲۸) کی تفسیر بیان فرماتے ہیں کہ لا الله الا الله باقية في عقب ابراهيم کہ وہ کلمہ لا الله الا الله ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد میں باقی رکھا گیا۔[53]

فائدہ نمبر ۲ : امام ابن جریر وابن المنذر نے حضرت مجاہد رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے: نیز امام عبد بن حمید اور امام عبد الرزاق اپنی اپنی تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ سے اس کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں کہ، وہ کلمہ جو ان کی اولاد میں باقی رکھا گیا۔ وہ شہادت،

قال: شهادة أن لا إله إلا الله والتوحيد، لا يزال في ذريته من يقولها من بعده[54]

یعنی اس امر کی شہادت ہے کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور اخلاص اور عقیدہ توحید ہے جو ان کے بعد ہے جو بعد ان کی اولاد میں ہمیشہ رہے گا۔

فائدہ نمبر ۳: امام ابن منذر نے امام ابن جریج سے اس کی تفسیر بیان فرمائی کہ انہوں نے فرمایا:

فلم يزل ناس من ذريته على الفطرة يعبدون الله حتى تقوم الساعة[55]

کہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں کچھ لوگ ہمیشہ دین فطرت پر رہیں گے اور قیامت تک اللہ کی عبادت کریں گے۔

انتباہ: اس آیت میں توحید واخلاص کے لئے اولادِ ابراہیم علیہ السلام کسی کے لئے تعین کرنا لازمی ہے اور پھر وہ حدیث شریف ساتھ بتلائے جس میں فرمایا کہ ہر زمانہ میں سات افراد توحید و ایمان پر لازماً رہے۔ اب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ امتی ہونے کا حق ادا کیجئے کہ ان ساتوں میں اَبْوَيْنِ (والدین) رسول (علیہ الصلاۃ والسلام) کو بھی شامل کرلیجئے۔ تاکہ نمک حلال امتی کہلا سکیں۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِناً وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ (سورۃ ابراہیم:۳۵)

ترجمہ: جب کہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے میرے رب اس شہر (مکہ) کو امان والا کر دے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا۔

فائدہ: امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالی نے فرمایا:

ابراہیم علیہ السلام کے ان بیٹوں کو خصوصا بتوں کی پوجا سے بچایا جن کو حضور ﷺ کے آباؤ اجداد بننے کا شرف حاصل ہوتا تھا۔

رب اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَوٰةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِى رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءَ (سورۃ ابراہیم:۴۱)

---

(53) (الحاوی للفتاویٰ، باب مسالك الحنفاء، 262/2، طبع: دار الفكر للطباعة والنشر، بيروت لبنان)

(54) (الحاوی للفتاویٰ، باب مسالك الحنفاء، 262/2، طبع: دار الفكر للطباعة والنشر، بيروت لبنان، عام النشر: 1424 ھ 2004 م)

(55) (الحاوی للفتاویٰ، باب مسالك الحنفاء، 262/2، طبع: دار الفكر للطباعة والنشر، بيروت لبنان، عام النشر: 1424 ھ 2004 م)

ترجمہ: اے میرے رب مجھ کو اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا رکھ۔

فائدہ: امام ابن منذر حضرت جریج سے اس کی تفسیر بیان فرماتے ہیں:

فلن یزال من ذریة إبراهیم صلی الله علیه وسلم ناس علی الفطرة یعبدون الله [56]

یعنی کچھ لوگ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہمیشہ دین فطرت پر رہ کر اللہ کی عبادت کریں گے

۴۔ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ (قرآن کریم پ۱۹، الشعراء:۲۱۸) **ترجمہ:** اور پھرنا تمہارا ساجدوں میں۔

فائدہ: امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

معناه أنه كان ینقل نوره من ساجد إلی ساجد، وبهذا التقدیر فالآیة دالة علی أن جمیع آباء محمد صلی الله علیه وسلم كانوا مسلمین [57]

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک حضور ﷺ کا نور پاک ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا رہا اس تقدیر پر یہ آیت کریمہ اس پر دلیل ہے کہ حضور ﷺ کے جمیع آبائے کرام مسلمان تھے۔

۵۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

المراد منه تقلبك من أصلاب الطاهرین الساجدین لله الی أرحام الطاهرات الساجدات ومن أرحام السجدات الی أصلاب الطاهرین ای الموحدین والموحدات حتی یدل علی ان اباء النبي صلی الله علیه وسلم كلهم كانوا مؤمنین [58]

ترجمہ: اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کا نور طاہرین، ساجدین اللّٰہ کے اصلاب (پشتوں) سے طاہرات، ساجدات کے ارحام کی طرف اور طاہرات کے ارحام سے طاہرین کے اصلاب (پشتوں) کی طرف یعنی مُوَحِّدِيْنْ اور مُوَحِّدَاتْ (توحید والوں) میں منتقل ہوتا رہا اور یا اس پر دلیل ہے کہ نبی ﷺ کے آبائے کرام مومنین تھے۔

احادیث مبارکہ ہمارے سابق مضمون میں آیات کی تائید و توثیق (پختگی) کے طور پر بکثرتِ احادیثِ مبارکہ مندرج ہو چکی ہیں۔ اعادہ برائے افادہ چند جدید بطور اضافہ حاضر ہیں۔

لَمْ يَزَلْ عَلَى وَجْهِ الدَّهْرِ فِي الْأَرْضِ سَبْعَةٌ مُسْلِمُونَ فَصَاعِدًا فَلَوْلَا ذٰلِكَ هَلَكَتِ الْأَرْضُ وَمَنْ عَلَيْهَا [59]

ترجمہ: کہ روئے زمین پر ہر زمانے میں کم از کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین اور اہل زمین سب ہلاک ہو جاتے۔

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

---

(56) (الحاوی للفتاوىٰ، باب مسالک الحنفاء، 257/2، طبع: دار الفكر للطباعة والنشر، بیروت لبنان، عام النشر: 1424ھ 2004م)

(57) (الحاوی للفتاوىٰ، باب مسالک الحنفاء، 254/2، طبع: دار الفكر للطباعة والنشر، بیروت لبنان، عام النشر: 1424ھ 2004م)

(58) (تفسیر المظهری، سورة الشعراء، آیت 26، 89/7، مکتبة الرشدیة – الباكستان)

(59) (الحاوی للفتاوىٰ، باب مسالک الحنفاء، 256/2، طبع: دار الفكر، عام النشر: 1424ھ 2004م)

مَا خَلَتِ الْأَرْضُ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ مِنْ سَبْعَةٍ يَدْفَعُ اللّٰهُ بِهِمْ عَنْ أَهْلِ الْأَرْضِ(60)

ترجمہ: حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین کبھی سات بندگانِ خدا سے خالی نہ ہوئی۔ جن کے سبب اللہ تعالیٰ زمین سے عذاب دفع فرماتا ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کہا:

إن اللّٰہَ يُقْرِئُكَ السَّلَامُ وَيَقُولُ إِنِّي حَرَّمْتُ النَّارَ عَلَى صُلْبٍ أَنْزَلَكَ وَبَطْنٍ حَمَلَكَ وَحُجْرٍ كَفَلَكَ(61)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں نے اس صُلب پر جس میں تم رہے ہو اور اس پیٹ پر جس نے تمہیں اٹھایا۔ اس گود پر جس نے تمہیں کھلایا۔ نارِ دوزخ کو حرام کر دیا ہے۔

انتقال نور: حضور میں یہ فرماتے ہیں کہ، ولما خلق الله تعالى حواء لتسكن إلى آدم ويسكن إليها(62)

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے حوا کو پیدا کیا تا کہ آدم علیہ السلام سکون پائیں تو بائیں پسلی سے پیدا کی گئیں۔

جب اماں حوا پر صحبت کا اثر رونما ہوا تو ان ایام میں شکموں (ارحام) سے چالیس ۴۰ جوڑا جوڑا ایک لڑکا ایک لڑکی پیدا ہوئے۔ صرف ایک صاحبزادہ بنام شیث علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے آدم کے بعد منصب نبوت سے سر فراز کیا۔

ولما توفى آدم، كان شيث عليه الصلاة والسلام وصيّا على ولده، ثم أوصى شيث ولده بوصية آدم: ألا يضع هذا النور إلا فى المطهرات من النساء، ولم تزل هذه الوصية جارية، تنقل من قرن إلى قرن، إلى أن أدى الله النور إلى عبد المطلب وولده عبد الله(63)

ترجمہ: جب تقدیر دہانی سے آدم علیہ السلام کی وفات شریف واقع ہوئی پھر آپ کی اولاد گرامی سے حضرت شیث علیہ السلام وصی مقرر ہوئے پھر آپ نے بھی اپنے بیٹے کو آدم علیہ السلام کی وصیت سے خبر دار کیا اور تاکید کی کہ اے میرے نورِ نظر اور لختِ جگر آگاہ رہو کہ اس نور مبارک کو پاکیزہ عورتوں کے بطون میں بوجہ حلال سپرد کریں پھر یہ وصیت کا سلسلہ نسلاً بعد نسلاً ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ تک متواتر جاری رہا۔ یہاں تک کہ خداوند کریم رؤف الرحیم نے اس مبارک نور کو حضور پر نور کے جد اعلیٰ عبد المطلب اور ان کی اولاد گرامی سیدنا حضرت عبد اللہ والدِ ماجد آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے یہ نورِ انور سپرد کیا۔

یارب صل وسلم دائما ابداً علی روح النبي بدر الادجی محمدی

ایضاً: معارج النبوۃ ص ۲۴۰ جلد اول:

چوں انوش بحد بلوغ رسید. شیث علیہ السلام اورا بخواند . گفت اے پسر من پدرمن مہتر آدم ازبرائے حفاظت این نور گرامی عہد و میثاق ازمن هستید من نیز این عہد و میثاق را ازتو می ستانم که درغیرمعصومات واضع ایں نورکنی انوش قبول نمود

---

(60) (تفسیر در المنثور، باب 250، 765/1، دار الفکر، بیروت)

(61) (الحاوی للفتاویٰ، باب مسالک الحنفاء، 271/2، طبع: دار الفکر للطباعة والنشر، بیروت لبنان، عام النشر: 1424ھ 2004م)

(62) (شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، المقصد الأول: في تشريف الله تعالى له عليه الصلاة والسلام، 122/1، دار الكتب العلمية، الطبعة: الأولى 1417ھ 1996م)

(63) (المواهب اللدنية، باب طهارة نسبه صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، 56/1، المكتبة التوفيقية، القاهرة مصر)

ترجمہ: جس وقت انوش حد بلوغت کو پہنچا، ایک روز شیث علیہ السلام نے اس کو بلا کر کہا۔ اے میرے نور نظر میرے والد محترم سیدنا حضرت آدم علیہ السلام نے مجھ سے اس نور محمدی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام کی نگہانی کے لئے عہد واقرار لیا تھا۔ آج میں بھی حسب وصیت پدرِ خود تجھ سے یہ عہد و اقرار لیتا ہوں۔ خبر دار کہ اس نور گرامی کو عصمت فروش مستورات کے ارحام میں سپرد نہ کریں۔ انوش نے بسر و چشم اس وصیت کو منظور کیا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲)

اس مضمون کی مزید تفصیل فقیر کی کتاب "آدم تا ایندم" میں ملاحظہ فرمائیں اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ کے نہ صرف آباؤ اجداد و امہات بلکہ جملہ کائنات حضور سرور موجودات ﷺ کی مدح وثنا میں رَطبُ اللِّسان ہے۔

جملہ علمائے محدثین کرام رحمہم اللہ تعالی علیہم اجمعین نے اس نور کی منتقلی کے قصہ سے اپنی تصنیفات میں آباؤ وامہات کے ایماندار ہونے پر استدلال کیا ہے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام سلسلہ نسب جملہ رجال و نساء تآسیدنا آدم علیہ السلام وام المومنین سیدۃ النساء حواء علیہا السلام تک سب کا دولت و سعادتِ ایمان سے ممتاز ومکرم ہونا بیان کیا ہے۔ اکثر نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔ اس واقعہ کو حافظ شمس الدین ابن ناصر الدین دمشقی محدث رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے بابیات ذیل نظم کیا ہے:

تنقل أحمد نورا عظيما ... تلألأ في جباه الساجدينا

تقلب فيهم قرنا فقرنا ... إلى أن جاء خير المرسلينا[64]

قاضی عیاض کا ارشاد: كتاب الشفاء في حقوق المصطفیٰ جلد اول ص ۱۳۲ میں ہے:

وَعَنِ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله تعالى عليه واله وسلم عَنْهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ أَهْبَطَنِي فِي صُلْبِهِ إِلَى الْأَرْضِ وَجَعَلَنِي فِي صُلْبِ نُوحٍ فِي السَّفِينَةِ وَقَذَفَ بِي فِي النَّارِ فِي صُلْبِ إِبْرَاهِيمُ ثُمَّ لَمْ يَزَلْ يَنْقُلُنِي فِي الْأَصْلَابِ الْكَرِيمَةِ إِلَى الْأَرْحَامِ الطَّاهِرَةِ حَتَّى أَخْرَجَنِي بَيْنَ أَبَوَيَّ لَمْ يَلْتَقِيَا عَلَى سِفَاحٍ قَطُّ) وَإِلَى هَذَا أَشَارَ الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي قَصِيدَتِهِ[65]

سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا ہے: جب اللہ تبارک و تعالی نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ تو مجھے اس کی پشت مبارک میں زمین پر نازل کیا۔ پھر مجھے مہتر (حضرت) نوح علیہ السلام کی پشت مبارک میں کشتی میں سوار کیا۔ بعد ازاں مجھے نار نمرودی میں ڈالا گیا۔ در آنحالیکہ میں سیدنا ابراہیم خلیل الرحمن علیہ الصلاۃ والسلام کی پشت مبارک میں موجود تھا۔ میں ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے ارحامِ مُصَفّٰی مطہرہ (پاکیزہ صاف شفاف ارحام) کی طرف منتقل ہوتا چلا آیا ہوں۔ یہاں تک کہ میں اپنے والدین گرامی سے دار دنیا میں تولد پزیر ہوا۔ کہ کوئی بشر ان سے مُرتکِب سفاح (ناپسندید) کا نہیں ہوا۔ اس بات کی طرف حضور ﷺ کے چچا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے قصیدہ مبارک میں اشارہ کیا ہے۔ قصیدہ حماسیہ فقیر کی کتاب "آدم تا ایندم" میں ہے۔

علماء کرام نے فرمایا: حضرت علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا کہ،

الأولى: أن الأحاديث الصحيحة [دلت] على أن كل أصل من أصول النبي صلى الله عليه وسلم من آدم إلى أبيه عبد الله، فهو من خير أهل قرنه وأفضلهم. والثانية: أن الأحاديث والآثار دلت على أنه لم تخل الأرض من عهد نوح أو آدم إلى بعثة

---

[64] (الحاوی للفتاوىٰ، باب مسالك الحنفاء، 267/2، طبع: دار الفكر للطباعة والنشر، بيروت لبنان، عام النشر: 1424 ھ 2004 م)

[65] (الشفا، الفصل الاول فی ما ورد من ذکر مکانتہ، 167/1، طبع: دار الفكر، عام النشر: 1409 ھ 1988 م)

النبي صلى الله عليه وسلم ثم إلى أن تقوم الساعة من ناس على الفطرة، يعبدون الله ويوحدونه، ويصلون له، وبهم تحفظ الأرض، ولولاهم لهلكت الأرض ومن عليها. وإذا قارنت بين هاتين المقدمتين، أنتج منها قطعا أن آباء النبي صلى الله عليه وسلم لم يكن فيهم مشرك؛ لأنه قد ثبت في كل منهم أنه من خير قرنه، فإن كان الناس الذين هم على الفطرة هم إياهم فهو المدعى، وإن كانوا غيرهم وهم على الشرك لزم أحد أمرين: إما أن يكون المشرك خيرا من المسلم، وهو باطل بالإجماع، وإما أن يكون غيرهم خيرا منهم، وهو باطل؛ لمخالفة الأحاديث الصحيحة، فوجب قطعا أن لا يكون فيهم مشرك؛ ليكونوا من خير أهل الأرض كل في قرنه. (66)

ترجمہ: احادیثِ صحیحہ اس بات پر صاف دلالت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کے جملہ آباؤ و اجداد آدم صفی اللہ سے لے کر سیدنا عبد اللہ حضور پر نور ﷺ کے والد ماجد تک تمام لوگ اپنے اپنے اہلِ زمانہ سے بہترین اَشخاص میں سے تھے۔ کوئی دوسرا شخص ان کے زمانہ میں ان سے افضل و اکرم نہ تھا۔ احادیث و اخبار و آثار (احدیث مبارکہ، اقوال بزرگان دین) دلالت کرتے ہیں کہ زمانہ نوح علیہ السلام اور ابوالبشر سیدنا آدم خلیفہ اللہ سے لے کر آنحضور سرورِ عالم ﷺ کی بعثت تک اور قیامت تک ہر گز زمین ایسے لوگوں سے خالی نہیں رہتی جو ابداً فطرت پر قائم ہوں۔ جو ہمیشہ عبادت گزار ہوں اور توحید الٰہی کا اقرار کنندہ ہوں اور ان کی طفیل اہل زمین کی نگہبانی کی جاتی ہو۔ اگر ایسے لوگ فرمانبردار ہر عصر میں موجود نہ ہوتے تو تمام روئے زمین اور اہلیانِ زمین بالکل تباہ و برباد ہو جاتے۔ جب درمیان ان ہر دو مقدمات کے تطبیق دی جائے تو صاف صاف یہ نتیجہ بر آمد ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کے باپ دادوں سے کوئی شخص مشرک کافر نہ تھا۔ وجہ یہ ہے کہ جب ان لوگوں کا اپنے جملہ معاصرین سے افضل و ارفع ہونا ثابت ہے اگر دیگر لوگ توحید پر قائم اور خدا پرست تھے تو یہی لوگ ان سب کے آباؤ و اجداد میں سے تھے پھر اگر دوسرے لوگوں کو ان سے بہتر تصور کیا جاوے اور ان کو کافر و مشرک قرار دیا جاوے تو پھر ان دو باتوں سے ایک کو ضرور تسلیم کرنا پڑے گا۔

(1)۔ ہر ایک کافر و مشرک کو مسلم سے بہتر ماننا پڑے گا۔ یہ بات بالکل غلط اور پایہ اعتبار سے ساقط اور اجماع کے بر خلاف ہو گی۔ کوئی کافر و مشرک مسلمان سے بہتر نہیں ہو سکتا۔

(۲) یہ بات ناممکن و محال ہے کہ ان سے دوسرے لوگ افضل ہوں تو یہ بات احادیث و اخبار صحیحہ کے بر خلاف ہونے سے باطل ہے۔ بہر کیف یہ بات واجب التسلیم اور قابل قبول ہو گی کہ کوئی شخص ان میں سے کافر و مشرک تصور نہ ہو۔ تا کہ وہ لوگ ہر عصر سے اپنے معاصرین سے افضل و اشرف تسلیم کئے جائیں۔

احادیثِ نسب: علمائے کرام و محدثین عظام نے حضور سرورِ عالم نور مجسم شفیع معظم ﷺ کے آباء و امہات کا ایمان احادیثِ نسب سے بھی ثابت کیا ہے وہ احادیث بطور نمونہ حاضر ہیں۔

۵۔ بیہقی اور ابو نعیم اور طبرانی وغیرہ نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

---

(66) (الحاوی للفتاوی، باب مسالک الحنفاء، 2/254، طبع: دار الفكر للطباعة والنشر، بيروت لبنان، عام النشر: 1424 هـ 2004 م)

إن الله تعالى اختار خلقه، فاختار منهم بنى آدم، فاختار منهم العرب، فلم أزل خيار من خيار الأرض، من أحب العرب، فبحبى أحبهم، ومن أبغض العرب، فببغضى أبغضهم [67]

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مخلوقات کو پیدا کیا۔ تو ان سب میں سے بنی آدم کو پسند کیا پھر آدم کی تمام اولاد سے اہلِ عرب کو منتخب کیا۔ پھر مجھے اہل عرب سے برگزیدہ اور پسند کیا۔ میں ہمیشہ ہر عصر میں ہر انتخاب میں سب سے بہترین گروہ میں نامزد ہوتا رہا ہوں۔ خبردار جو شخص اہلِ عرب سے محبت، دوستی اختیار کرے، میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت و پیار رکھے اور جو شخص ان سے بغض و عداوت کو اختیار کرے۔ وہ بھی میری عداوت کی وجہ سے ان کو دشمن تصور کرے۔

٦۔ بیہقی اور ابن عساکر نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے:

قال النبی ﷺ: ما افترق الناس فرقتين إلا جعلني الله في خيرها فأخرجت من بين أبوي فلم يصبني شئ من عهر الجاهلية. وخرجت من نكاح، ولم أخرج من سفاح، من لدن آدم، حتى انتهيت إلى أبي وأمي، فأنا خيركم نفسا، وخيركم أبا [68]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: نہیں جدا کیا اللہ تعالیٰ نے بندوں کو دو گروہوں میں مگر مجھے اللہ تعالیٰ نے ان سے بہترین جماعت میں مقرر کیا ہے۔ میں اپنے والدین سے تولد پذیر ہوا ہوں مجھے رسوم جاہلیت سے کوئی چیز نہیں پہنچی۔ میں ہمیشہ نکاح سے پیدا ہوتا رہا ہوں نہ کہ سفاح سے۔ زمانہ آدم سے لے کر اپنے والدین تک میں سب لوگوں سے شرافت ذاتی اور وجاہت، جلالی خاندانی کے لحاظ سے بزرگ ترین خلائق سے ہوں۔

محمد عربی که آبرو بر دوسرا است — کسیکه خاک درش نیست خاک بر سر او

ترمذی نے سیدنا حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے:

وَعَنِ الْعَبَّاسِ أَنَّهُ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَأَنَّهُ سَمِعَ شَيْئًا فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ: «مَنْ أَنَا؟» فَقَالُوا: أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ. فَقَالَ: «أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ ثُمَّ جعلهم فرقتَيْن فجعلني فِي خير فِرْقَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ قَبيلَة ثمَّ جعله بُيُوتًا فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ بَيْتًا فَأَنَا خَيْرُهُمْ نفسا وَخَيرهمْ بَيْتا [69]

---

(67) (اشرف الوسائل الى فهم الشمائل، باب ما جاء فی خلق رسول اللہ ﷺ، 60/1، دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان)

(68) (رد السهام عن خير الانام، رد شبهة: نبى الاسلام من كندة، 101/1، الشاملة الذهبية)

(69) (مشكوة المصابيح باب فضائل سيد المرسلين، الفصل الثاني، 1604/3، الحديث: 5757، طبع: : المكتب الإسلامي بيروت)

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایاہے: جب اللہ تعالی نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا مجھ کو ان سے بہترین جماعت میں شامل کیا۔ پھر جب ان کے قبائل مقرر کئے۔ مجھے ان سب سے بہترین قبیلہ میں مقرر کیا۔ پھر جب کہ گھرانے مقرر کئے مجھے ان سب سے اعلیٰ خاندان میں مبعوث کیا۔ میں تمام لوگوں سے از روئے ذات عالی اور شرافت خاندانی کے افضل وبلند پایہ ہوں۔

وكم أب قد علا بابن ذرى شرف　　　كما علت برسول الله عدنان[70]

ترجمہ: بہت سے باپ بزرگی والے بیٹوں سے شرافت پاجاتے ہیں۔ جیسے عدنان کو حضور ﷺ سے شرافت نصیب ہوئی۔

یہ وہ دلائل ہیں جن سے عمومی طور پر ہر ذکی الفہم صحیح الدماغ شخص آباؤ وامہاتِ حضور ﷺ کے ایمان و اسلام کو بلا تامل سمجھ سکتا ہے۔ اب تصریحات پیش کرتا ہوں تاکہ غبی المزاج اور ضعیف العقل (بے وقوف حضرات) بھی سمجھ سکیں۔ لیکن ازل سے قسمت کا مارا نہیں سمجھے گا۔ اور نہ ہی اسے سمجھانا مطلوب ہے۔ (بيده الهداية والتوفيق)

صرف ایک حوالہ پر اکتفاء کرتاہوں۔ ان شاء اللہ تعالی مومن کے لئے موجب تسکین ہو گا لیکن منکر کو منوانا ہمارے بس سے باہر ہے اللہ تعالی توفیق بخشے توامید ہو سکتی ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کے معجزے سے یقین ہوتا ہے کہ ہمیشہ محروم ہی رہیں گے ان کے متعلق آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ یہ لوگ اسلام سے ایسے بری طرح نکل گئے ہیں کہ اب ان کی واپسی ناممکن ہے[71] تفصیل دیکھئے فقیر کی تصنیف "محمد رسول اللہ ﷺ کی زبانی وہابی دیوبندی کی نشانی"۔

نوٹ: عمومی دلائل کے بعد اب حضرت عبد المطلب رضی اللہ تعالی عنہ کے ایمان کی تصریح ملاحظہ ہو:

ایمانِ عبد المطلب کے دلائل و تصریحات: حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بتوں کی پرستش ترک کر دی تھی۔ اور توحید الہی کے قائل ہو گئے تھے۔ قرآن مجید کے نزول سے پہلے بہت سے طریقے مروج تھے جنہیں اسلام نے ابتدائی دور میں جائز رکھ کر بعد کو ناجائز کیا۔ جو قرآن مجید کی آیات کے علاوہ احادیث نبویہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ مثلاً:

نذر کا ایفاء (نذر کا پورا کرنا) محارم کے نکاح کی ممانعت، چور کا ہاتھ کاٹنا، زندہ درگور کے قتل کی نہی، شراب وزنا کی حرمت، بیت اللہ شریف کا ننگے ہو کر طواف کرنا۔[72] (كذا في سبط ابن الجوزي)

ان میں بعض وہ وجوہ ہیں جو ابتداء میں حرام تھے اور کچھ بعد کو حرام ہوئے۔

---

(70) (المواهب اللدينه بالمنح المحمدية، طهارة نسبه ﷺ، 62/1، ، المكتبة التوفيقية، القاهرة مصر)

(71) (سنن أبي داود، كتاب السنة، باب في قتل الخوارج، 145/7، الحديث: 4767 ، دار الرسالة العالمية، الطبعة: الأولى، 1430 هـ 2009 م)

(72) (روح البيان، تحت تفسير سورة التوبة تحت آيت 115 الى 116، 3 ص 523 الى 524، دار الفكر – بيروت)

۱۔ أبکار الافکار فی مشکل الاخبار میں ہے کہ، حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ اکثر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے اور انہی کے احکام پر عبادت الٰہی بجالاتے۔ بعض مسائل میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پیروکار تھے۔[73]

ہمارے نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نبوت کے بھی منکر نہیں تھے۔ علاوہ ازیں اس وقت حضور سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اعلانِ نبوت بھی نہیں فرمایا تھا۔

۳۔ قاعدہ شرعیہ ہے کہ، زمانہ فطرت[74] میں جو لوگ فوت ہوئے انہیں کافر نہیں کہا جاسکتا۔ روح البیان جب تک کسی کے کفر و شرک کی تصریح نہ ہو، جیسے ابو طالب کے بخاری شریف ان کے انکارِ راز کلمہ اسلام کی تصریح ہے، اس کو کافر نہیں کہہ سکتے صرف اسی ایک حوالہ پر اکتفا کرتا ہوں۔[75]

فقط والسلام

مدینے کا بھکاری

القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

۱۶ ربیع الاول شریف ۱۴۲۹ھ

---

[73] (روح البیان، تحت تفسیر سورۃ التوبۃ تحت آیت 115 الی 116، 524/3، دار الفکر – بیروت)

[74] زمانہ فطرت ایک فقہی اصطلاح ہے جو اس وقت کو بیان کرتی ہے جو کسی نبی اور اس کے بعد آنے والے نبی کے درمیان ہوتا ہے۔ (ان اُویسی)

[75] (روح البیان، تحت تفسیر سورۃ التوبۃ تحت آیت 115 الی 116، 3 ص 523 الی 524، دار الفکر – بیروت)